سیرت نبوی

(از قلم جناب محمد مارمیڈیوک پکتھال صاحب)

اکثر سیدھے سادے بھولے بھالے اور بے قصور انگریز اب بھی اُن پادریوں کے ناپاک الزاموں اور بہتانوں کو سچ خیال کرتے ہیں۔ جنہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کینہ ور اور شہوتی انسان (نعوذ باللہ) کہا ہے۔ اُمید ہے آپ مجھے معذور خیال کرینگے۔ اگر میں ایکدفعہ پھر اس بات پر زور دوں کہ آپ ایک نہایت حلیم اور بُردبار انسان تھے۔ اور ہر بات کے افراط سے متنفر تھے۔ اگر مجھکو آپکے پرائیویٹ چال وچلن کے متعلق صرف ایک ہی صفت بیان کرنے کو کہا جائے تو میں کہونگا "نہایت ہی پیارا"۔ محمد رسول اللہ صلعم کی اپنی شخصیت پنگھوڑے سے لحد تک نہایت ہی پیاری تھی۔ اور اس دُنیا میں کسی شخص سے بھی اُن سے بڑھ کر سچی محبت نہیں کی گئی آپ سے وہی لوگ محبت نہیں کرتے ہیں جو کہ آپ سے ہمکلام ہوتے یا آپ کو جانتے تھے اور جنکی محبت کی جھلک اب تک ان کے الفاظ میں نظر آتی ہے۔ بلکہ وہ لاکھوں کروڑوں انسان جنہوں نے آپ کا جسم مبارک کبھی نہیں دیکھا۔ اور جن کے پاس صرف آپ کی سوانحعمریاں اور تعلیم و حدیث ہیں۔ وہ بھی آپ پر فدا ہو ہو جاتے ہیں۔ آپ رسُول نبی مقنن۔ رُوحانی ہادی۔ اور نائب خدا سبھی کچھ تھے مگر میں ان حیثیتوں میں آپکے متعلق کچھ نہیں لکھنے لگا۔ بلکہ صرف ایک پڑوسی اور دوسروں کے دوست اور سچے خیر خواہ ہونے کی حیثیت سے میں آپکے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں ؏

کیا تم یہ فرض کرتے ہو کہ اسلام صرف تلوار کے ہی ذریعے پھیلایا گیا ہے بارہ سال تک پہلے اصحاب نبی سخت دردناک اور خوفناک تکلیفیں اہل مکہ کے ہاتھوں برداشت کرتے رہے مگر پھر بھی انکی تعداد روز بروز بڑھتی رہی۔ مگر یہ سب جماعت منتشر تھی۔ اور اکثر ان میں سے جلاوطن ہو گئے تھے۔ مگر پھر بھی یہ تعداد میں بڑھ رہے تھے۔ اگرچہ اس مبارک جماعت کے افراد کو ہر قسم کی ایذائیں پہنچائی جاتی تھیں۔ مگر پھر بھی بہت ہی کم مرتد ہوتے تھے۔ مگر خدائے واحد کے دین میں اور بہت سے داخل ہوتے جاتے ہیں۔ کیا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا

جو کہ تمام دنیا میں اپنی دلربائی میں یکتا ہے اُس روز افزوں اور پائدار ترقی پر کوئی اثر نہ تھا
اس جواب کو غور سے سنو۔ جو کہ آپؐ کے ایک صحابی نے اپنے ایذا رسانوں کو دیا۔ جبکہ وہ اُسے
سخت دُکھ اور ایذا دے رہے تھے۔ انہوں نے اس سے پوچھا۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اس وقت
محمدؐ تمہاری جگہ پر ہوتا"۔ مگر اس تکلیف کی حالت میں وہ مظلوم چلا اُٹھا "مجھے اپنے
خاندان۔ اپنی دولت اور اپنی اولاد کی کچھ پرواہ نہیں برخلاف اسکے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کو ایک کانٹا بھی چبھے"۔ یہ اُس عزت اور عظمت سے جو کہ لوگ پیغمبروں کی کرتے ہیں۔ اور
اُس وفاداری سے جو کہ وہ بادشاہوں سے برتتے ہیں ایک بالکل جداگانہ چیز ہے۔ یہ دلی اور سچی محبت
کے کرشمے ہیں۔ ایک آپؐ کے ذاتی غلام کا یہ قول ہے "میں نے محمد رسول اللہ صلعم کی دس برس
خدمت کی ہے مگر اس عرصے میں آپؐ نے کبھی مجھے اُف! تک نہیں کہا"۔ ہمیں اس قسم کی دلی
محبت کی اور بہت سی شہادتیں ملتی ہیں۔ اور وہ بھی اُن لوگوں کی ہیں جو کہ آپؐ سے ذاتی
واقفیت رکھتے تھے۔ بعض عیسائی مورخوں نے جنہوں نے آپؐ کی سوانح عمری لکھی ہے خیال
ظاہر کیا ہے۔ کہ جب آپؐ کو طاقت اور حکومت حاصل ہو گئی۔ تو آپ کا چال چلن پہلے کی
نسبت ارذل ہو گیا۔ دوسرے لفظوں میں وہ سنجیدگی اور نرمی جو پہلے تھی وہ حکومت کے
حاصل ہونے پر زائل ہو گئی۔ مگر مجھے اس خیال کی کوئی ذرا سی بھی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔
دُنیا کے تمام شہنشاہوں اور فاتحوں میں سے صرف ایک محمد رسول اللہ صلعم ہی تھے جنہوں نے
شخصی حکومت اختیار نہیں کی۔ بلکہ اپنے آپ کو بادشاہ بھی نہیں بنایا۔ آپؐ کو جنگ
کرنے کی مطلقاً کوئی خواہش نہ تھی۔ مگر جب دشمن حملہ کر کے آپؐ کو اور آپؐ کے سچے مذہب کو
کو نیست و نابود کرنے کی خواہش کرتے تھے۔ تو مجبوراً آپؐ کو بھی لڑنا پڑتا تھا۔ اسلام کی غرض
اور مقصد امن اور صلح ہے نہ کہ لڑائی اور جنگ۔ اور تاریخ میں عربوں کو جنگجو ہونے کی جو شہرت
حاصل ہوئی وہ محض ایک اتفاق سے حاصل ہوئی۔ اور اسکی وجہ دوسرے مذہبوں کا تعصب اور مذہبی
قیود ہیں۔ وہ لوگ جو کہ خیال کرتے ہیں کہ اسلام محض تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ وہ ہمارے
مذہب کی حقیقت سے محض ناآشنا ہیں۔ اور جو خوشی اور تسکین قلب اس سے حاصل ہوتی ہے وہ اس سے
بیخبر ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان کو قرآن شریف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے کوئی

مس ہی نہیں +

ایک ایسے زمانے میں جبکہ ذات پات اور فرقہ بندی کا خیال بہ نسبت موجودہ زمانے کے زیادہ سخت تھا۔ اور جبکہ قومیں شریف اور آزاد مردوں اور غلاموں میں منقسم ہوئی ہوئی تھیں۔ اس وقت نبی کریم صلعم بھائی بندی۔ اور مساوات کا حکم لوگوں کیلئے لیکر آئے:۔

"اور تمہارے غلام۔ اُن کو وہی کھانے کو دو جو تم خود کھاتے ہو۔ اور وہی کپڑا اُن کو پہننے کو دو۔ جو کہ تم خود پہنتے ہو۔ اور اگر وہ کوئی ایسا قصور کر بیٹھیں جو کہ ناقابل گذر ہو۔ تو ان کو الگ کر دو۔ کیونکہ وہ خدا کے بندے ہیں۔ اور اُن سے بُرا سلوک کرنا روا نہیں ہے" +

"وہ غلام جو کہ نماز پڑھتے ہیں وہ تمہارے بھائی ہیں" +

"اے لوگو۔ میری بات کو سنو۔ اور اسکو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اور اس بات کو جان رکھو کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تم سب ایک برادری میں منسلک ہو تمہارے لئے کوئی چیز جو کہ تمہارے بھائی کی ملکیت ہو استعمال کرنی جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنی کامل رضامندی سے تمہیں اجازت نہ دیدے۔ اور بے انصافی کرنے سے ہمیشہ بچتے رہو۔ اور اس سے محترز رہو"۔

یہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ایسا فرما رہے ہیں۔ اس عالمگیر برادری اور یگانگت کا سبق صرف آپ نے لفظوں میں ہی نہیں سکھایا۔ بلکہ عملاً اپنے ذاتی نمونے سے بھی اسکو ثابت کر دکھایا۔ آپ نے کسی ذی روح یا انسان کو اپنی ساری زندگی میں کبھی بھی کوئی دُکھ نہیں پہنچایا۔ آپ شہنشاہ عرب ہو جانے کے بعد بھی اپنے تمام پیروؤں سے ویسا ہی برادرانہ اور محبت کا سلوک کرتے تھے۔ آپ بھی اللہ تعالیٰ کے ویسے ہی خادم اور بندے تھے جیسے کہ دوسرے مسلمان تھے۔ مگر رسول خدا ہونے کی وجہ سے آپ کی بات کو دوسروں پر فوقیت حاصل تھی اور وہ عزت اور ادب سے سُنی جاتی تھی۔ آپ اپنے گرد کوئی محافظ یا باڈی گارڈ نہ رکھتے تھے۔ بلکہ مسلمانوں میں نہایت آرام اور بیفکری سے ایک ہادی مصلح اور قابل اعتبار دوست کی حیثیت سے چلتے پھرتے تھے۔ آپ کی طرز معاشرت ایسی سادہ تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعے سے نہ صرف خود آپ نے لوگوں کو متنبہ کیا۔ کہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو شور و غل مت کیا کریں۔ اور کھانے کے وقت تمام کے تمام آپکے مکان پر نہ آ جمع ہوا کریں۔ اگرچہ یہ باتیں سلیقہ

اور شائستگی کے چنداں خلاف نہ تھیں۔ مگر یہ دن بدن بڑھتی جاتی تھیں۔ کیونکہ ہر ایک شخص جو آپ سے ملنے آتا تھا یہی چاہتا تھا کہ آپ اس سے گفتگو کریں اور اسکی باتوں کو سنیں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو آپ کو محبت تھی اس کے متعلق میں پہلے سے ذکر کر چکا ہوں آپ کو جو اپنی دوسری بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے محبت تھی وہ اگرچہ دوسرے رنگ کی تھی۔ مگر پھر بھی کچھ کم نہ تھی (حضرت عائشہ کا نکاح بچپن میں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا تھا کیونکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خواہش تھی کہ جسقدر بھی جلد ہو سکے یہ مبارک تقریب عمل میں آجائے) آپ کی دوسری شادیاں یا تو محض رحم کی وجہ سے اور دوسروں کا دل رکھنے کیلئے تھیں یا وہ سلطنت کی پالیسی کے ماتحت عمل میں آئیں۔ مگر ہر حالت میں آپ اپنی بیویوں سے نہایت محبت اور انصاف کے ساتھ پیش آتے اور اُن کو ہر طرح خوش رکھا۔ آپ ایک خاوند۔ باپ۔ پڑوسی۔ دوست۔ حاکم اور امام ہونے کی حیثیت سے اپنے زمانے اور تمام آنیوالے زمانے کیلئے ایک بہترین نمونہ تھے اور جو کوئی بھی آپ سے ملنے آیا۔ وہ آپ کی بابرکت شخصیت سے مسحور ہو گیا۔ ایسی شخصیت جو دوسروں کی خوشی اور تسکین قلب کا باعث تھی۔ آپ کا ایک لفظ بھی جھگڑا اور فساد کرنیوالوں کو چپ کرانے اور غمگین لوگوں کو ڈھارس بندھانے اور زخمی دلوں پر مرہم کا پھایا رکھنے کیلئے کافی تھا یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو آپ کی غیر حاضری میں آپ کے برخلاف منصوبے باندھتے تھے جب سامنے آتے تھے تو بالکل سیدھے ہو جاتے تھے۔ اور زر خرید غلام بن جاتے تھے ؞

آپ کی مظلوموں اور حاجتمندوں پر مہربانی اور انکی حاجت روائی کرنے۔ اور لوگوں سے منصفانہ برتاؤ کرنے بچوں سے محبت اور شفقت برتنے۔ اور بے زبان جانوروں پر مہربانی کرنے کے متعلق میں سینکڑوں کہانیاں آپ کے سامنے بیان کر سکتا ہوں۔ آپ بلیوں کو بوجہ انکی صفائی اور پاکیزگی کے بہت پسند فرماتے تھے۔ ایکدفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سہارا لگائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک بلی آئی اور آپکے کرتے کے دامن پر آکر لیٹ گئی اور سو گئی۔ جب بہت دیر ہو گئی اور آپ کو اُٹھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تو آپ نے مجبوراً اپنے کرتے کا دامن کاٹ ڈالا۔ تاکہ بلی کی نیند میں خلل نہ آئے۔ اور خود اُٹھ کر چلے گئے۔ آپ نے سب لوگوں کو جانوروں پر سختی کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ آپ کو قدرت کی ہر شے سے ایسی محبت تھی۔ کہ یہ کوئی قابل تعجب امر نہیں کہ آپ کے بعض بھولے بھالے

پیرو یہ سمجھ لیتے تھے کہ تمام قدرت کی اشیاء ایک حد تک آپ کا حکم مانتی تھیں اور آپ سے محبت رکھتی تھیں۔ مگر آپ انکو ایسا خیال کرنے سے ہمیشہ منع فرماتے تھے۔ اور یہ اُن کو جتلاتے تھے کہ آپ بھی انکی طرح ایک بشر ہیں صرف فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا پیغام لوگوں کو پہنچانے کے لئے چُن لیا۔ کیا تاریخ میں ایسے پیغمبر کا کوئی اور شخص نظر آتا ہے۔ اور یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں۔ کہ پُرانے زمانے کا ایک مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر غور کرتے ہوئے یہ بول اُٹھے۔ چاہے تم ہر ممکن طریقے سے آپ کی بڑی سے بڑی تعریف کیوں نہ کرو تب بھی تم آپ کی اعلیٰ و افضل صفات اور خوبیوں کو بیان نہیں کرسکتے۔ مگر اُس قسم کی تعریف اس میں شامل نہیں جو کہ عیسائی لوگ اپنے پیغمبر کی کرتے ہیں (یعنی اُسکو خدائی مرتبے پر پہنچا دیتے ہیں)

صلّو علیہ وسلّم

ابوالارتقا وابن الارتقا

نبی اور ریفارمر میں مابہ الامتیاز

تھیوری آف ایولیوشن یعنی مسئلہ ارتقا کے دلدادہ ایک نبی کو بھی اُسی قسم کا مُصلح سمجھتے ہیں۔ جسے دُنیا کی وقتی ضرورت کسی نہ کسی ریفارمر کو پیدا کر لیا کرتی ہے لیکن یہ عدم تدبر کا باعث ہے مسئلہ ارتقا ایک سچا مسئلہ ہے۔ فطرت کا ذرہ ذرہ اس پر شاہد ہے کس طرح ایک بیج درخت ہو جاتا ہے۔ اور کس طرح ایک قطرہ انسان کی شکل اختیار کر لیتا ہے اسمیں شک نہیں کہ دُنیا کی تمدنی۔ اقتصادی سیاسی۔ الغرض ہر قسم کی علمی ترقیات بھی اسی مسئلہ ارتقاء کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ ایک نسل کی علمی تحقیقیں اور اخلاقی معلوم کردہ صداقتیں ورثتًا دوسروں کو مِلجاتی ہیں۔ اور دوسری نسل اسکی اضافہ کردیتی ہے۔ اسی طرح انبیاء کے متعلق بھی آج لوگ یہ قیاس کرتے ہیں۔ کہ انبیاء کی اصلاحیں بھی اسی ارتقائی رفتار کی ایک ممتاز منزل ہوتی ہے یعنی انبیاء علیہم السلام بھی جو علوم دنیا کو دیتے ہیں۔ وہ دراصل ورثتًا وہ گذشتہ

نسلوں میں حاصل کر کے اس پر مناسب اضافہ کر دیا کرتے ہیں۔ یہ امر جہاں تک دنیوی ریفارمر ہوتے ہیں۔ بلکہ صحیح ہیں۔ اور اگر اس قاعدہ کلیتہ میں کسی وجود کو استثنا ہوتی ہے تو انبیاء علیہم السلام کا ہی وجود ہے۔ انبیاء علیہم السلام ان ریفارمروں کی طرح ارتقا کے فرزند نہیں ہوتے۔ بلکہ ارتقا کے جدامجد ہوتے ہیں +

مسئلہ ارتقاء یعنے تھیوری آف ایوولیوشن کے دلدادوں کے لئے یہ امر بھی غور طلب ہے۔ کہ جب اُن کے نزدیک دنیا کی رفتار ترقی میں ہر ایک نیا مرحلہ موجودہ حالات میں سے ہی پیدا ہوا کرتا ہے اور نئی تحریکیں علی العموم انہیں خیالات کا عکس ہوا کرتی ہیں جو پہلے سے چاروں طرف مستعد طبائع میں پیدا ہو چکی ہوں۔ تو ساتویں صدی عیسوی کا وہ تاریک زمانہ جس نے ہر طرف فطرت انسانی کو پستی کی تہ میں پہنچا دیا تھا۔ عرب جیسے تاریک ترین سرزمین میں کمال انسانی کی معراج پر پرواز کرنیوالی فطرت کس طرح پیدا کر سکتا تھا +

اِس عقیدے کے ماننے والے یہ رائے رکھتے ہیں۔ کہ زمانہ میں جس وقت کوئی تبدیلیٔ خیالات یا انقلاب آرائے یا کوئی اصلاح ہونے لگتی ہے۔ تو یہ کسی خاص وقت کا یا کسی خاص ایک دماغ کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس نئی تحریک کے مناسب حال طبائع پہلے سے ہی طیار ہو جاتی ہیں۔ مختلف اسباب صدیوں آہستہ آہستہ کام کرتے آتے ہیں علوم و فنون کی ترقیات معلومات کی وسعت قدیمہ مروجہ خیالات کے نقص اپنی اپنی جگہ کام کر کے لوگوں میں ایک قسم کا انتشار اور ہیجان پیدا کئے ہوئے ہوتے ہیں طبائع میں اضطرارًا اسی ایک امر کی طرف میلان ہوتا ہے۔ دلوں میں اس مقصود کے حصول کیلئے ایک مجہول الکنہ طریق پر اُمنگیں جوش مارتی ہیں۔ الغرض چاروں طرف خیالات میں ایک قسم کی طیاری ہو جاتی ہے ایسے وقت میں کوئی حکیم مزاج لیکن دل کا جری انسان پیدا ہو کر ان خیالات کو ایک مرتب قالب میں ڈھال دیتا ہے۔ وہ باتیں جو لوگوں کے دلوں میں اندر ہی اندر پک رہی ہوتی ہیں وہ انہیں الفاظ کا لباس پہنا کر زمانہ کی بالقوہ استعدادوں کو بالفعل کر دیتا ہے۔ ایسے شخص کو اگر دوسروں پر فوقیت ہو سکتی ہے تو صرف اِس ایک بات میں کہ اُس میں ان امور کے اظہار کی

قابلیت اور جرأت ہوتی ہے جو طبائع میں پہلے سے ہی مرکوز ہوتی ہیں۔ لوگ اُسکی مضبوط دلائل کے آگے سر نہیں جھکاتے بلکہ اُس کے دلائل میں وہ اپنے نصب العین کو دیکھ کر انہیں فی الفور قبول کر لیتے ہیں۔ لاریب یہ باتیں جو قائلینِ مسئلہ ارتقاء پیش کرتے ہیں معقولیت سے باہر نہیں۔ بلکہ واقعاتِ عالم اُن کے مؤید ہیں۔ چنانچہ عیسوی کلیسیا کے مصلحین یعنی لوتھر اور کالوین کے حالات اِسی مسئلہ ارتقاء کے ماتحت آجاتے ہیں۔ پندرھویں صدی عیسوی میں یونانی علوم کی ترویج وغیرہ ایسا ہی دیگر فنون کی ترقیات نے ایک طرف اور خانقاہ نشین پادریوں کے برخلاف روز افزوں نفرت نے دوسری طرف بانیان ریفارمیشن (اصلاح کلیسیہ) کے پیدا ہونے سے پہلے اُن کی سڑک صاف کر رکھی تھی۔ لوگ پہلے سے ہی اس بات کے لئے طیار تھے۔ جو ان بزرگوں نے تعلیم کی۔ یہی حال ہم سوامی دیانند جی مہاراج کا دیکھتے ہیں۔ انہوں نے بھی زمانہ کی نبض شناسی میں غلطی نہیں کی۔ اِصلاح مُلک کے لئے وہ نسخہ طیار کیا۔ کہ جس کی قبولیت کے لئے طبیعتیں مختلف اسباب کے ماتحت پہلے سے طیار ہو چکی تھیں۔ اِصلاح کا جو راستہ انہوں نے تجویز کیا اُس پر ملک کے تعلیم یافتوں کا ایک حصہ پہلے سے قدم مار رہا تھا۔ آفتابِ اسلام کی تیز شعاعوں نے ایک طرف اور جدید علوم کی روشنی نے دوسری طرف شرک کے اندھیرے کو مٹانا شروع کر دیا ہوا تھا۔ بت پرستی سے نفرت اور پُرانک تعلیم سے وحشت پیدا ہو رہی تھی۔ برہمنوں کے خانہ ساز اصولوں سے طبیعتیں رُکی جا رہی تھیں۔ توحید کے عشاق تو اسلامی جامہ پہن رہے تھے لیکن وہ جو ابھی تذبذب میں تھے یعنی ایک طرف قدیمی شرک کے اثروں سے پورے باہر بھی نہ تھے اور دوسری طرف توحید نے اپنا دھندلا سا نقش اُن کے لوحِ دل پر ابھی جمانا شروع کیا تھا انہوں نے توحید کی اس نئی مد کاذب اشتہا کو عیسائیت کی توحید فی التثلیث سے تسکین دی۔ پھر ایک لاتعداد جماعت نے وید چھوڑ کر وحدہٗ لاشریک براہم کے لئے براہمو مندر بنائے جنمیں سے بتوں کو قطعاً نکال دیا گیا۔ مگر عام طور پر لوگوں کا آبائی مذہب جلدی چھوڑ دینا یا قومی عقائد کو ترک کر کے اپنے عزیزوں سے الگ ہو جانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ یہ

امر تو ایسی بھاری قربانی چاہتا ہے۔ کہ جس کیلئے مدت مدید کی طیاری درکار ہوتی ہے۔ اسلئے ایسے انقلاب کے وقت انسانوں میں ایک قسم کی حرکت مذبوحی پیدا ہو جاتی ہے۔ نئے خیالات کی دلفریبی اور پرانے تعلقات سے دلبستگی ایک درمیانی راستہ تجویز کر لیتی ہے۔ انسان ایسے وقت نئی صورتوں کو اسی اپنے پرانے لباس میں دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ جو نئی باتیں اُسے پسند آگئیں وہ ہو نہ ہو اسکی آبائی تعلیمات میں سے نکل پڑیں۔ اور وہ امور جن سے وہ متنفر ہو چکا ہے وہ کسی نہ کسی طریق سے پرانے اصلی عقائد پر الحاق شدہ ثابت ہو جائیں +

توحید کی صداقت جو اسلام ہندوستان میں لایا بُت پرستی کی بُنیاد ہلا چکی تھی۔ لیکن آبائی تعلقات قبولیت اسلام کے مانع تھے۔ اسلئے مذکورہ بالا قدامت پرست طبائع نے چاہا . . . . کہ تعلقات قدیمہ کے قیام کے ساتھ ساتھ جدید باتیں اختیار کی جائیں۔ براھمو سماج بھی دراصل اُس انسانی کمزوری کا ایک نتیجہ تھا۔ لیکن براھمو سماج کا وید کو چھوڑ دینا اس کی اشاعت عامہ کی راہ میں روک تھا۔ وید کے پرستار راجہ رام موہن رائے کی بجائے کسی ایسے مہاپرش کو قبول کرنے کی تیاری کر رہے تھے جو وید کو بھی قائم رکھے اور عناصر پرستی بُت پرستی اور دیگر شرک کی صورتوں کو بھی خارج از وید ثابت کر دکھلائے۔ شرادھ وغیرہ کو بدعات اور ذات پات کے امتیاز کو برہمنوں کی مخترعات بتلائے۔ اِس ضرورت کو سوامی دیانند جی نے پُورا کیا۔ اُس نے اسی امر کا پرچار کیا کہ جس کی پیاس اسلامی روشنی نے تعلیم جدید کے ساتھ ملکر ہندو صاحبان کے دلوں میں پیدا کر رکھی تھی۔ اِسی لئے نئی تعلیم یافتہ جماعت نے ہی سب سے اوّل سوامی جی کو خوش آمدید کہا۔ سوامی جی نے نہ صرف توحید کو مغز وید ثابت کرنا چاہا۔ بلکہ اُس نے ہر ایک موجودہ ترقی کی اصل شکل وید کے الفاظ میں دکھلانے کا ادعا کیا۔ اس نے ہون کے دھوئیں میں جو اگنی کی پرستش میں کیا جاتا ہے موجود انجنوں کی سٹیم اور اندر کے ہوائی کرہ والی سواری میں بیلون دیکھے۔ زمین کی تہ یعنے پاتال میں اُسے امریکہ نظر آیا۔ اور بندروں کی بستی میں اُسے یورپ دکھلائی دیا۔ الغرض اس مہا پنڈت نے ملک کی نبض شناسی کر کے انہیں خیالات کو الفاظ کے قالب میں ڈھالا یا۔ جو تعلیم یافتہ

ضبائع ہیں چاروں طرف موجزن ہو رہے تھے لہٰذا ایسے واقعات پر مسئلہ ایوولیوشن کے دلدادوں کا یہ کہہ دینا بالکل بجا ہے کہ لوتھر اور کالون کا وجود یورپ میں اور دیانند جی کی شخصیت ہندوستان میں ارتقاء کے ہاتھ کا ایک کامل کرشمہ ہے۔ اسیطرح دُنیا کے دیگر انقلابات بھی اسی مسئلہ کی تائید میں زبردست شہادتیں ہو سکتی ہیں۔ مگر مسئلہ ارتقاء کے ایک قاعدہ عام ہونے میں اگر زمانہ کی تاریخ نے استثنائیں بھی پیدا کی ہیں۔ تو یہ استثنائیں اُن انقلابات میں پائی گئی ہیں جو انبیاء کے وجود نے وقتاً فوقتاً دُنیا میں پیدا کی ہیں اور جس کی کامل تشریح حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں نظر آتی ہے +

اس امر کے متعلق اس جگہ میں صرف اس ایک اصلاح کا ذکر کرونگا جو آنحضرت صلعم نے بت پرستی کے متعلق عرب سے شروع کی۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ تحریک جو آپ کے دل میں پیدا ہوئی وہ ہمعصروں کے خیالات کا عکس تھا یا وہ زمانہ مطلق اس امر کیلئے طیار نہیں تھا۔ یہ امر مُسلّم ہے کہ اس وقت توحید پر کامل موت وارد ہو چکی تھی ہندوستان۔ ایران۔ تمام فرنگستان بُت پرستی۔ عناصر پرستی۔ اجرام پرستی اور سب سے آخر انسان پرستی کے غلام ہو رہے تھے۔ عزت اور اور حرمت کے بلند سے بلند مقام پر بتوں کا تختگاہ تھا۔ اس وقت بھی دُنیا سے وہ لٹریچر معدُوم نہیں ہوا جو ہندوستان۔ ایران اور فرنگستان نے اُس وقت پیدا کیا تھا۔ اُن سب کی سب کتب میں علی العموم ہم اس آتش معرفت کی ہلکی سی چنگاری تک بھی نہیں دیکھتے کہ جس نے عنقریب فاران سے نکل کر جنگل کے جنگل شرک کے بھسم کر دینے تھے پھر ہم کیسے مان لیں کہ وہ توحید جسے شارع اسلام علیہ السلام نے از سر نو دُنیا میں زندہ کیا وہ نتیجہ ارتقاء [illegible] تھی۔ اس موقعہ پر آپ کی دس گیارہ سالہ زندگی کا ایک واقعہ مجھے یاد آگیا ہے جو شاید اس معاملہ زیر بحث پر کافی روشنی ڈالدے۔ آپ اس بچپن کی عمر میں ابو طالب اپنے چچا کے ہمراہ سفر شام کو جا رہے تھے راستہ میں ایک راہب کے ہاں قیام ہوا۔ اثنائے گفتگو میں عرب کے عظیم الشان اور نہایت ہی مقتدر دو بُتوں یعنی لات اور ہُبل کا ذکر آگیا۔ اس پر آپ نے بیساختہ فرمایا۔ کہ جس قدر نفرت اور عداوت قلبی مجھے لات و ہُبل سے ہے وہ کسی چیز سے نہیں +

اللہ اللہ وہ زمانہ جسمیں کُل دُنیا بُتوں کی پوجا کر رہی ہو۔ عرب کے گرد و نواح کے ممالک سب بُتوں کے تسلط میں ہوں۔ وہ تعلیمات قدیمہ جو بُت پرستی کے خلاف کبھی نازل ہوئی تھیں عرب اُن کے دائرہ اثر سے ہمیشہ باہر رہا ہو بلکہ وہ تعلیمیں اپنی اپنی جگہ بذاتِ خود متروک و مردود ہو چکی ہوں پھر اہل عرب کے نزدیک لات و ہبل کُل دُنیا کے بُتوں کی ناک سمجھے گئے ہوں اور خدا کے ہاتھ میں پرورش پانیوالا بچہ اُس خاندان سے ہو کہ جس کی شرافت اور عزت اُسی لات و ہبل کے گھر کی تولیت سے ہو۔ اُس کی آزآموز آنکھ اور کان نے ہمیشہ اُسی لات و ہبل کی تعظیم و تکریم ہی دیکھی اور سُنی ہو۔ اُسکی قوم و مُلک کی مشکل کُشائی اُسی لات و ہبل کے ہاتھ سے سمجھی گئی ہو۔ جس کرّہ ہوا میں اُس معصوم بچہ کا ابتدائی اُٹھان ہُوا ہو وہ لات و ہُبل کی عظمت و محبت سے معمور ہو +

الغرض اُس سلیم الفطرت بچہ کے گرد و پیش ایسے ہی سامان ہوں کہ جس سے اُس کے دِل میں لات و ہبل کی عظمت و عزت اور محبت جم سکے لیکن جونہی اُن دونوں کا نام اس کے سامنے لیا جائے وہ اُن کے پرستاروں کی ذرا سی پرواہ نہ کرکے اپنی نفرت و حقارت کا اظہار کرے۔ اور آئندہ کے واقعات یہ ثابت کردیں کہ یہ نفرت و عداوت فی الواقعہ اُسکی پاک فطرت میں گڑی ہوئی تھی۔ اب کیا یہ نفرت عداوت اُسے ورثہ میں یا خُون کے ذریعہ ملی۔ اُس کے آبا و اجداد تو ان بُتوں کی محبت و عشق میں سرشار رہتے۔ بلکہ وہ خطرناک مخالفت جو بعد میں اُس کے عزیز و اقارب نے لات و ہُبل وغیرہ کی حمایت میں اُسکی کی۔ وہ اس بات کا کامل ثبوت ہے کہ آنحضرت صلعم کی زندگی مسئلۂ ارتقاء کی بوالعجبیاں اپنے ساتھ لئے ہُوئے نہ تھی۔ اگر آپؐ کی تعلیم ایوولیوشن کا نتیجہ ہوتی تو پھر آپؐ کا بُت پرستی کے خلاف کھڑا ہونا تو دراصل اُنہیں خیالات کا اظہار ہوتا جو اُس کے معاصرین کے دلوں میں پیدا ہو چکے تھے لیکن عرب نے جو خطرناک مخالفت آپؐ کی کی۔ اور پھر بُتوں کے خلاف آپؐ کی تیرہ سالہ جانکاہ کوششوں کا نتیجہ یہ ہُوا کہ صرف معدودے چند ہی آدمی آنحضرت کے ساتھ ہوئے۔ یہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ یہ تحریک جو آنحضرت کے دل میں ہوئی وہ نواحی خیالات کا عکس نہ تھی۔ بلکہ وہ آسمانی تحریک تھی +

اسمیں شک نہیں کہ آنحضرت صلعم کی بعثت سے چند ہی برس پہلے سرزمین عرب میں دو تین
اور شخص بھی بت پرستی سے متنفر نظر آتے ہیں لیکن ان کی ہستی سے آپ کی شخصیت کا ارتقائی
طریق پر پیدا شدہ تسلیم کرنا اِس مسئلہ کے ضروری لوازمات کو نظرانداز کرنا ہے۔ ارتقائی
رفتار ہمیشہ تدریج اور آہستگی کو چاہتی ہے۔ اس کے ماتحت عالم کی کایا پلٹنے والی
کسی نئی اصلاح کے وجود میں آجانے کے لئے تین چالیس کیا پچاس برس بھی حقیقت نہیں
رکھتے۔ واقعات عالم اس امر کی شہادت دیتے ہیں۔ کہ کسی خاص قسم کے خیالات یا آرائے
کا قائم ہو جانا اور پھر اُن کے متضاد خیالات یا آرائے کا دُنیا سے مٹ جانا ایک لمبے
عرصہ اور پشتہا پشت کی متواتر کوششوں کو چاہتا ہے۔ اول اوّل کسی خاص تحریک سے
ایک نیا خیال دھندلی شکل میں بیج کے طور پر کسی طبیعت میں پیدا ہو جاتا ہے
جس پر اور صدہا ملتے جلتے واقعات آبیاری کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر صدیوں
بعد وہ خیال دن بدن مضبوط ہوتے ہوتے اور متضاد خیال کو روز بروز کمزور کرتے
کرتے کسی زبردست ہاتھ سے مشہود و مرئی شکل اختیار کر کے طبائع عالم پر بتدریج غالب
آجاتا ہے۔ چنانچہ دُنیا نے کوئی انقلابی تحریک ایسی نہیں دیکھی جس نے ارتقائی طور پر
تو پیدائش حاصل کی ہو اور پیدائش سے پہلے صدیوں تک مادر گیتی کے حمل میں رہی ہو
الغرض بدء ارتقاء کے کارناموں کا تمیزی نشان یہ ہوتا ہے۔ کہ جس بات نے اُس کے
ماتحت پیدا ہو کر آخرکار دُنیا میں زبردست انقلاب پیدا کرنا ہوتا ہے وہ صدیوں پہلے پیدا
ہو کر ایک طرف آہستہ آہستہ اپنا سکہ طبائع عالم پر جماتی جاتی ہے اور دوسری طرف اس امر کو
کمزور کرتی جاتی ہے کہ جس کی بیخکنی اس نئے امر سے متصور ہوتی ہے۔ جن واقعات نے لوتھر اور کالون
جیسے مصلحین فرنگستان میں پیدا کر دیئے۔ ان کا آغاز اگرچہ فتح قسطنطنیہ سے مانا گیا۔
لیکن میری تحقیق میں اس کا اصلی سبب فتح قسطنطنیہ سے کئی صدیاں پہلے دُنیا میں پیدا
ہو چکا تھا۔ فتح قسطنطنیہ نے جن رُومی اور یونانی منتقل علوم کو یورپ میں پہنچایا وہ
اِس قدیمی خیال کے مؤیدات تھے۔

اصل اصول ریفارمیشن (اصلاح کلیسہ) کا یہ تھا۔ کہ امور دینیہ میں کسی خاص شخص

کی رائے یا اجتماع کی پرواہ کئے بغیر۔ بلکہ ہر شخص کی رائے پر کلام الٰہی کو ترجیح دیکے
رومن کیتھولک کلیسیا پوپ کو بطور خدا یا نائب معین قرار دیکر اس کے اجتہاد اور احکام
پر جو عیسائیت کا اصل اصول قرار دیا گیا تھا اور اس بات کی سخت مخالفت کرتا تھا
کہ کتب مقدسہ کے معانی اور مطالب سے کوئی اور شخص بجز پوپ واقف ہو۔ اور اس کے مقابل
لوتھر اور کالون نے ہر انسانی اجتہاد پر کلام الٰہی کو ترجیح دینے کے لئے تراجم انجیل پر اور
اس کے مطالب کو عام فہم کرنے پر زور دیا۔ اب امر تحقیق طلب یہ ہے کہ یہ خیال کہ امور ملیہ میں
ہر امر متنازعہ میں شخصی اجتہاد کے مقابل کلام الٰہی کو ترجیح دی جائے یورپ میں کہاں سے پیدا
ہوا۔ اس کو تجدید و ترویج علوم یونانی و رومانی کی طرف منسوب کرنا اسی صورت میں درست
ہو سکتا ہے جب اس لٹریچر میں یہ اصول کسی نہ کسی رنگ میں پایا جائے۔ لیکن یہ امر مسلم ہے
کہ یونانی و رومی علم ادب زیادہ تر انہیں کے فہم و دماغ کا نتیجہ ہے۔ کہ جن کے سامنے یہ سوال کبھی پیدا
نہیں ہوا۔ وہ تو بت پرست مشرک اقوام سے تھے۔ انہیں الٰہیات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ معقولات سے
جنکا مبلغ شاید تھا۔ لیکن حقوق اللہ و حقوق العباد کے معاملات انکی نگاہ سے بہت ارفع تھے۔ اسلئے امر زیر بحث
کو ان کی طرف منسوب کرنا ایک بھاری مغالطہ آمیز غلطی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ان
یونانی رومی حکماء کے طرق استدلال نے علمی تحقیق کا ذوق سلیم یورپین دماغ میں پیدا کر کے اہل یورپ
کو پوپ کی غاصبانہ حکومت سے آہستہ آہستہ متنفر کر دیا۔ اور دیگر معاملات دنیوی کی طرح امور
مذہب میں بھی پوپ کے جوتے کے نیچے گردن رکھنے کی بجائے ہر ایک اہل الرائے کو خود غور
فکر کرنے کا شوق پیدا ہوا لیکن اس کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ شخصی اجتہاد کا دائرہ وسیع
ہو جاتا اور پوپ کے سوا اوروں کو بھی معاملات ملیہ میں رائے زنی کا حق ہو جاتا۔ نہ یہ کہ کلام
الٰہی کی تلاش اور تجسس ان معاملات میں پیدا ہوتی اور ہر مسئلہ میں کلام الٰہی کے الفاظ کو
انسانی الفاظ پر ترجیح دیجاتی۔ یورپ کے مذہبی علم کلام میں یہ ایک نیا امر تھا اور اس کی اصل
یونانی رومی حکما کی تحریر میں تلاش کرنا ایک بے سود کوشش ہے۔ ہم کیوں اس تجدید کو علوم یونانیہ
کا ایک اتفاقی نتیجہ قرار دیں جس صورت میں یہ اصول انہیں الفاظ میں ہمیں اسلام کے ساتھ وابستہ
نظر آتا ہے۔ قرآن نے ہی کتب مقدسہ میں سے سب سے اول الٰہیات کے اس زریں اصول کو قائم کر کے

کتاب اللہ کے احکام اور منشاء کے آگے ہر انسانی اجتہاد کی گردن جھکا دی [illegible]
اندلس کی راہ سے یورپ میں اپنا راستہ پیدا کیا۔ اور اس اسلامی عقیدہ نے [illegible]
احکام و اجتہاد پر الفاظ اناجیل اور ملفوظات مسیح کو ترجیح دینے کا خیال پیدا کر کے لوتھر [illegible]
لوتھر سے بھی پہلے مطالعہ انجیل اور ترجمۂ انجیل کی طرف طبائع کو پھیر دیا چنانچہ لوتھر کا [illegible]
کہ الفاظ انجیل کو پوپ کے اجتہاد و احکام پر ترجیح ہونی چاہئے۔ لوتھر کو کلیسیا روما کے [illegible]
محمدی کتا کہلوایا۔ کیونکہ کلیسیہ مذکور کے علم و یقین میں لوتھر کا یہ طریق عمل محمدی تعلیم [illegible]
سے اخذ شدہ تھا یعنی امور متنازعہ میں تم کل انسانی اجتہادوں کو چھوڑ کر خدا اور [illegible]
رسول کے کلام کی طرف رجوع کرو۔ الغرض جن خیالات نے لوتھر کو پیدا کر کے اس [illegible]
مقبولیت عامہ کا تاج پہنایا۔ وہ لوتھر سے صدی پہلے نہیں بلکہ کئی صدی [illegible]
اسلام سے یورپ میں آ گئے۔ یہاں تک کہ علوم یونانیہ نے اس خیال [illegible]
اور بالمقابل پوپ کی عظمت بھی جاتی تھی آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی۔ اسی [illegible]
کا بیج اسلام نے بویا اور پھر آہستہ آہستہ یہ درخت بار آور ہوتا گیا [illegible]
زور پکڑتی گئی اور بت پرستی بالمقابل کمزور ہوتی گئی۔ مراحل [illegible]
اس عمارت توحید کی تعمیر کے مزدور تھے۔ اور اسی کام کو کر کے [illegible] دیا [illegible]
ارتقاء کے پرستاروں کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ جس طرح اصلاح [illegible]
میں بیج کی طرح پیدا ہو کر آہستہ آہستہ اپنے کامل ظہور کی طرف قدم [illegible]
ہر آن ترقی کی شکل اختیار کرتے جاتے ہیں۔ اسی طرح اصلاح طلب [illegible]
دن بدن منتفر ہوتی جاتی ہیں۔ گویا یہ دو متضاد امور بالمقابل [illegible] کر آخر [illegible]
قطعیت پر بتدریج آ جاتے ہیں لیکن صاحب الصلوٰۃ والتحیات کی تحریک [illegible] لوازمات [illegible]
سے بالکل جدا ہے نہ آپ کی بعثت سے پہلے عرب میں یا دنیا میں [illegible] کے خلاف کوئی
خاص تحریک پیدا ہو کر آپ کی پیدائش کے مضبوط ہوتی گئی۔ نہ آپ کی [illegible] کوئی
خاص خیالات بتدریج ترقی کرتے گئے آنحضرت صلعم کی اصلاح تو اس صورت میں ارتقاء کے ماتحت
آ سکتی ہے جب یہ امر ثابت ہو جاوے کہ وہ توحید جو جناب موسیٰ یا جناب مسیح نے تعلیم کی تھی یا جو خیال [illegible]

دید میں پائی جاتی تھی وہ تاریخ الہام سے دن بدن مضبوط ہوتی گئی ۔ اور اس کے مقابل شرک روز بروز کمزور ہوتا گیا ہو لیکن معاملہ بالکل دگرگوں نظر آتا ہے ہم کو تو تاریخ میں یہ پتہ لگتا ہے کہ گو مختلف مرسلین علیہم السلام نے توحید کا سبق دیا لیکن دنیا نے اُسے بہت جلد بھلا دیا اور جُوں جُوں اسلام کی پیدائش کے دن قریب آتے گئے شرک کا اپنا کامل تسلط دُنیا پر بڑھتا گیا حتے کہ نبی کریم کی بعثت پر چاروں طرف شرک ہی شرک نظر آتا تھا بعثت نبوی سے سات صدی پہلے جناب مسیح نے ایک حصہ دُنیا کو شرک کی نجاست سے پاک کرنا چاہا لیکن جُوں ہی توحید کی یہ ندی یُونان و روما کے راستے یورپ کے بحر شرک میں داخل ہوئی ۔ اسی وقت اس ندی کا اس طرح نام و نشان مٹ گیا جس طرح بڑے سے بڑے دریا کا سمندر میں داخل ہو کر مٹ جاتا ہے مسیح کے بعد ایک آدھ صدی تک تو عیسائیوں میں موحدین نظر آتے رہے ولیکن آخر کار یونانی اور رُومی مشرکانہ خیالات نے عیسائیت کو اپنے رنگ میں رنگین کر دیا ۔ جیوپیٹر اور ذی اوس کے پرستاروں نے تبدیلی نام و مقام پرانی بُت پرستی کو نئے قالب میں ڈھال دیا ۔ جیوپیٹر کے تخت پر یسوع اور وینس کی کُرسی پر مریم کو متمکن کیا ۔ اور اُن کے ماتحت جو جو دیوی دیوتا رومن اور یونانی مائی تھیولوجی میں مختلف جذبات و اشغال انسانی کی سرپرستی کے لئے پوجے جاتے تھے ۔ اُن کی جگہ کیتھولک کلیسیا میں مختلف سینٹوں کو دیگئی ۔ الغرض تمام کی تمام پُرانی مائی تھیالوجی (مذہبی افسانہ جات) نے عیسائی لباس میں از سر نو ظہور کیا لیکن کا یہ مقولہ نہایت ہی نتیجہ خیز ہے ۔ کہ یُورپ نے مسیح کو بہت جلد اسلئے قبول کیا ۔ کہ مشرک یورپ نے از سر نو اس خدا کو انسانوں میں چلتے پھرتے دیکھا کہ جس کی باتیں ان کے افسانے مملو تھے ۔ وہ سُنتے آتے تھے ۔ کہ کس طرح قدیم سے قدیم زمانوں میں خدا جیوپیٹر اور ذی اوس کے نام پر انسانی سوسائٹی میں جلوہ افروز تھا کس طرح وہ انسانوں کے ساتھ ملتا جُلتا اور اُن کے معاملات میں دخل دیتا تھا ۔ اُن کی نگاہیں طبعاً ایلیڈ[1] اور اوڈیسی[2] کے زمانہ کو از سر نو دیکھنا چاہتی تھیں ۔ اسلئے انہوں نے مسیح کے حالات کو سُنکر اُس قدیمی جیوپیٹر اور ذی اوس کو نئے لباس میں آسمان سے نازل ہوتے دیکھا ۔ اور مسیح کو خدائی رنگ میں قبول

۱ و ۲ ۔ یہ دو یونانی رزمیہ کتابیں ہیں جنمیں مشرک یونانیوں کا خدا ہر ایک اہم انسانی معاملات میں دخل دیتا ظاہر کیا گیا ہے +

کرلیا - ان مشرکانہ تعلیم کا ذمہ وار بہت حد تک پولوس تھا جس نے اسرائیلیوں سے قطع کر کے یونان میں مذہب کو ہر دلعزیز بنانے کے لئے یونانی خیالات میں عیسائیت کو رنگین کرنا چاہا - وہ توحید جسے مسیح لایا پھر مرگئی - اور اس طرح عیسائیت کی مشرکانہ شکل ہی مشرک یورپ میں اس کی عظمت پھیلانے کا باعث ہوئی الغرض جوں جوں آنحضرت صلعم کا زمانہ قریب ہوتا گیا توحید کا نقش دھندلا اور شرک کا منظر بین اور روشن ہوتا گیا -
یہی حالت ہم ہندوستان میں اور اس کے مضافات میں دیکھتے ہیں - وید کی توحید نے جس شرک کو مٹانا چاہا کچھ عرصہ بعد وہ خود اس کا شکار ہو گئی - اگر ویدوانوں نے دریائے سندھ کو عبور کر کے اصلی باشندگان ہندوستان کی زمین پر قبضہ پالیا - تو قدیمی معبودوں نے ویدوالوں کے دلوں پر تسلط پایا - چنانچہ ترتیب وید کے کچھ عرصہ بعد ہی وہ ابتدائی رنگ کی توحید جو ویدمنتروں میں بیان کیجاتی ہے عناصر پرستی میں بدل گئی اور شرک نے ڈیرا آ لگایا - اگرچہ عارف بدھ کی پیدائش نے پھر چند صدیاں رفتار شرک کو دھیما کر دیا - لیکن آخر کار انہیں خونخوار معبودوں نے جو ظہور وید سے پہلے اس ملک کے باشندگان پر حکمران تھے از سر نو درگا اور کالی وغیرہ کی شکل میں ملک کا بہت سا حصہ فتح کرنا شروع کر دیا حتےٰ کہ بہت جلد وہ توحید کی دھندلی روشنی جو کسی قدر وید کے ذریعہ ہند میں چمکی تھی فی الفور نابود ہو گئی اور ظلمت شرک کی جہان میں اسقدر پھیل گئی - کہ چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آنے لگی - دنیا کا حال ایک تاریک ترین رات کی طرح ہو گیا - کہ جس کے خاتمہ پر آفتاب نے بصد آب و تاب جلوہ گر ہونا تھا - ایسی حالت میں اگر آفتاب اسلام کے طلوع سے کچھ پہلے عرب میں توحید کی روشنی نے چمک دکھلائی تو وہ اس روشنی کی طرح تھی جو شب دیجور کے خاتمہ پر صبح کاذب کے رنگ میں مطلع عالم پر پیدا ہو جاتی ہے لیکن جس طرح صبح کاذب کی روشنی ایک بے حقیقت چیز ہوتی ہے - وہی حال ان معدودے چند موحدین کا تھا جو آنحضرت صلعم سے ایک نسل پہلے عرب میں پیدا ہوئے - یہ موحدین تو اس آفتاب صداقت سے پہلے بطور ارہاص کے تھے کہ جس نے عنقریب نکل کر کل دنیا کو منور کر دینا تھا تھیوری آف ایولیوشن کے ماتحت تو چاہئے تھا کہ بعثت نبوی سے مدتوں پہلے توحید مضبوط ہوتی جاتی اور

شرک بالمقابل کمزور ہوتا جاتا اور یہ دونوں امور بالمقابل معکوس رفتار پر چلکر قطعیت کا رنگ نبی عرب کے ہاتھ سے دیکھ لیتے لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔ لہٰذا بت پرستی کی نیخکنی میں اسلامی تحریک کسی نہج پر بھی ارتقاء کا نتیجہ نہیں ہو سکتی۔ بت پرستی کا عرب سے جیسے ملک اور پھر خصوصاً مکہ سے دور کر دینا کوئی آسان امر نہ تھا۔ یہ کام خلق استقامت کا وہ انتہائی نمونہ کسی مصلح میں چاہتا تھا۔ کہ جس کا اظہار آنحضرت صلعم سے پہلے یا بعد میں تاریخ زمانہ کسی اور اولوالعزم انسان میں نہیں دکھلا سکی۔ کوئی محبوب سے محبوب اور عزیز سے عزیز چیز ہمیں نظر نہیں آتی۔ جو آپ کو اور آپ کی اتباع میں صحابہ کرام کو اعلائے کلمۃ اللہ میں قربان نہ کرنی پڑی ہو۔ دراصل جسقدر خطرناک مخالفت کسی مصلح کی راہ میں ہوتی ہے اسیقدر وہاں استقامت کے اظہار کی ضرورت ہوتی ہے۔ مشکل تو یہ تھی کہ بت پرستی اہل مکہ کو نہ صرف اسلئے عزیز تھی کہ یہ اُن کا آبائی مذہب تھا بلکہ اسلئے بھی کہ اہل مکہ اور خصوصاً قبیلہ قریش کی عزت و وجاہت اُن کا رعب اُن کی دولت و ثروت اُن کی وجہ معاش گویا اُن کی سب محبوب ترین چیزیں اُن کے علم و یقین میں صرف ایک بت پرستی کے قیام پر ہی قائم رہ سکتی تھیں بتکدۂ کعبہ نے مکہ کو عرب اور اسکے نواحی ممالک کا مرجع بنا رکھا تھا۔ ان نواحی میں مکہ ہی بڑی بھاری تجارت کی منڈی تھی۔ قبیلۂ قریش کا رعب اگر کل عرب پر غالب تھا تو صرف اسی لئے کہ وہ بتکدۂ کعبہ کے متولی کاہن تھے اسلئے جو شخص مکہ کو بتوں سے خالی کر کے ملک سے بت پرستی چھڑانا چاہتا تھا وہ صرف اہل مکہ کے جدی مذہب پر ہی حملہ کرتا تھا بلکہ وہ اہل مکہ کو اُن کے وہم و گمان میں اُنکی دولت ثروت رعب اور وجاہت سے محروم کرنے کی بھی فکر میں تھا۔ اسکی بہت ادنیٰ درجہ پر تشریح اُسی کوشش سے ہو سکتی ہے جس کو کوئی شخص پانڈوں کے مقابل ہردوار میں جا کر گنگا ماتا کی پرستش کے اُڑانے میں کرے۔ کیونکہ ہردوار کے پانڈوں کی عزت وجاہت اور معیشت بھی پرستش گنگا کے قیام پر منحصر ہے۔ حالانکہ اس وقت ہم اس سلطنت کے سایۂ رحمت میں سپنا گزین ہیں کہ جو ہماری جسمانی حفاظت کی ذمہ وار ہے اور جس کی سیاست ہر ایک حملہ کو روک سکتی ہے۔ لیکن اس پر بھی سوامی دیانند جی مہاراج نے ہردوار

چھوڑ کسی اللہ کے بندے نے اسی ادنےٰ بُت پرستی کے مرکز میں بھی اپنی اصلاح کے کام کو استقلال کے ساتھ جاری کرنے کی جرات نہیں کی۔ انہوں نے تو اس نیک کام کے لئے اُسی گروہ کو انتخاب کیا جسے اسلامی روشنی اور تعلیم جدیدہ نے سوامی کی موحدانہ تحریک کے قبول کرنے کیلئے مدتوں پہلے طیار کر رکھا تھا۔ جس وقت ہم موجودہ آرام و آسائش والے اور پُر امن زمانہ کا مقابلہ اُس خطرناک زمانہ سے کرتے ہیں۔ جو عربوں جیسی خونخوار مطلق العنان اور خلیع اللجام قوم نے ملک عرب میں پیدا کر رکھا تھا۔ اور پھر اس مخالفت پر نگاہ دوڑاتے ہیں جو اس مُلک کے کمزور دل کے انسانوں نے دیانند جی کے مقابل پر کی۔ تو ہم کو آسانی سے سمجھ آجاتا ہے۔ وہ انسان کیسا عظیم الشان جوہر استقامت اپنے اندر رکھتا ہوگا جس نے عرب جیسے مُلک کو اپنے جیتے جی کُل کا کُل بُت پرستی سے پاک کر دیا +

ہرقل قیصر رُوم اور آنحضرت صلعم

حضرت نبی کریم صلعم کا مشن جناب مسیح اور موسیٰ علیہم السلام کے مشنوں کیطرح اپنی ہی قوم اور لوگوں تک محدود نہ تھا۔ بلکہ آپ کا مشن ہمہ گیر اور تمام نسل انسانی کے واسطے تھا۔ جب رسالت مآب کو دیگر مخصوص و اُلجھنوں سے کسیقدر اطمینان نصیب ہوا۔ تو اب یہ وقت آیا۔ کہ اسلام کا پیغام تمام دُنیا کے کانوں تک پہنچایا جائے۔ تاکہ ان ارشادات آلٰہیہ کی کما حقہٗ تکمیل ہو۔ جن میں کہ آپ کو قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً (یعنی تمام دُنیا کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہدو۔ کہ میں کسی خاص قوم کا رسول نہیں بلکہ اے دُنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں) کہکر پکارا گیا۔ اور کہ جن کی پھر ارشاد آلٰہی اور بھی توضیح کرتا ہؤا فرماتا ہے* ما ارسلناک

* وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیراً و نذیراً (سورہ ۳۴۔ آیت ۲۸) +

کافۃ للناس ۔ ہمنے تم کو صرف عرب کے لئے نہیں بھیجا ۔ بلکہ تمام لوگوں ۔ ہاں کل لوگوں کیلئے بھیجا ہی ۔ اور اسی کے ہم معنے یہ آیت کریمہ بھی ہی وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین ۔ یعنی ہم نے تم کو تمام جہانوں اور تمام قوموں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہی ۔ اور اب اس رحمت کی تمام دنیا جہان کو خبر دینا آپ کا سب سے بڑھ کر فرض منصبی اور مشن تھا ۔ اور اسی اہم فرض منصبی کی تکمیل کے لئے آپ نے اپنے ملک کی حدود سے باہر بھی پیغام حق ارسال فرمایا اور قرب و جوار کی اقوام کے سلاطین کو سفیر ارسال فرما کر اسلام کی دعوت دی ۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے آپ نے دحیہ کلبی کو قیصر روم کے پاس دعوت اسلام کا خط دیکر بھیجا ۔ یہ مسلم سفیر اس نامہ مبارک کو لئے اس وقت ہرقل قیصر روم کے پاس پہنچا ۔ جبکہ ہرقل ایرانیوں پر شاندار فتح حاصل کر کے شکرانہ ادا کرنے کے لئے حمص سے بیت المقدس تک پیادہ پا سفر کر کے ایسی شان و شکوہ سے آیا تھا ۔ کہ جہاں چلتا تھا زمین پر فرش اور فرش پر پھول بچھائے جاتے تھے ۔

مسلم سفیر کا بڑی تزک و احتشام سے خیر مقدم کیا گیا ۔ اور قیصر نے حضرت نبی کریم صلعم کے دعاوی کے سننے میں بہت اشتیاق ظاہر کیا ۔ اور ساتھ ہی آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات سیرت کے متعلق اور معلومات بڑھانے کا متمنی تھا ۔ اتفاقاً ملک عرب سے بعض مکی سوداگران کا ایک قافلہ اس جگہ آ پہنچا ۔ اور قیصر نے انہیں اپنے دربار میں بلا بھیجا ۔ ابو سفیان جو آنحضرت صلعم کا عدو جان تھا ۔ وہ بھی انہیں سوداگروں میں شامل تھا ۔ اور آنحضرت صلعم کا وہی عدو جان اس ملاقات کی گفتگو کی صحت و صداقت کا ذمہ وار ہی ۔ جو ہرقل قیصر روم اور ابو سفیان کے درمیان ہوئی ۔ قیصر نے بڑی تزک و احتشام سے دربار منعقد کیا ۔ اور خود تاج خسروی پہن کر تخت پر بیٹھا ۔ اور تخت کے چاروں طرف قسیس اور رہبان کی صفیں قائم کیں ۔ اور پھر جب سوداگران عرب کا اس نصرانی شہنشاہ سے تعارف کرایا گیا ۔ تو اس نے مترجم کے ذریعہ اہل عرب کو مخاطب کر کے پوچھا ۔ کہ ان میں سے اس مدعی نبوت کا رشتہ دار کون ہے ؟ ابو سفیان نے کہا میں ۔ پھر اسکو ارشاد ہوا ۔ کہ وہ قیصر کے پاس کھڑا ہو ۔ اور اس کے

ساتھیوں کو جو اُس کے پس پُشت کھڑے تھے حکم ہُوا۔ کہ اگر وہ کسی بات میں کذب یا دروغ بیانی کرے۔ تو تم اسکی تردید کر دینا۔ پھر قیصر نے مترجم کی وساطت سے اس پر استفسارات کرنے شروع کئے۔ جو استفسارات اور جوابات ایک متلاشی حق کی اطمینان و تسکین قلب کیلئے کافی ہیں۔ اور آنحضرت صلعم کے عدو جان کے منہ سے اس قسم کے کلمات کا نکلنا حضرت رسالت پناہ کی صداقت پر مہر لگا دیتے ہیں اور غیر مسلم احباب بھی تعصب و ضد کی عینک کو اُتار کر اگر ان جوابات کو حق پژوہی کیلئے مطالعہ فرمائیں۔ تو بہت کچھ منفعت حاصل کر سکتے ہیں +

(۱) **قیصر**۔ مُدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابُوسفیان۔ شریف ہے +

(۲) **قیصر**۔ اس خاندان میں کسی نے دعویٰ نبوت کیا تھا؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

(۳) **قیصر**۔ ان میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

(۴) **قیصر**۔ جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے۔ وہ غریب و کمزور لوگ ہیں یا بااثر و متمول؟

ابوسفیان۔ کمزور و نادار لوگ ہیں۔

(۵) **قیصر**۔ اسکے پیرو روز افزوں ترقی پر ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟

ابوسفیان۔ مسلسل بڑھتے جاتے ہیں +

(۶) **قیصر**۔ اس کے پیروؤں میں یہ مذہب قبول کر کے بھی کوئی پھر جاتا ہے یا نہیں؟

ابوسفیان۔ نہیں +

(۷) **قیصر**۔ کبھی تم لوگوں کو اسکی نسبت جھوٹ کا تجربہ ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

(۸) **قیصر**۔ تم لوگوں نے کبھی اس سے جنگ کی؟

ابوسفیان - ہاں -

(۹) **قیصر** - تم میں سے کون ظفرمند ہوا؟

ابوسفیان - کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ +

(۱۰) **قیصر** - تمہیں کیا سکھاتا ہے؟

ابوسفیان - کہتا ہے - کہ ایک خدا کی عبادت کرو - کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ - اپنے آبا و اجداد کی رسومات و بدعات کو ترک کرو - نماز پڑھو - زکوٰۃ دو - پاکدامنی اختیار کرو - اور سچ بولو - زنا بری عادات سے اجتناب کرو صلہ رحم کرو +

ان استفسارات کا جو قیصر نے ابوسفیان سے کئے - کیا مدعا تھا؟ اور مندرجہ بالا تسلی بخش جوابات کے پانے پر جس نتیجہ پر قیصر مذکور پہنچا - وہ خود اس کے ان کلمات سے ظاہر ہوتا ہے - جو اس نے اس موقع پر کہے - قیصر نے کہا - کہ "میرے پہلے سوال کے جواب میں تم نے اسے شریف النسب بتایا پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندان سے پیدا ہوتے ہیں کمینہ قوم کے افراد لوگوں میں ہردلعزیزی حاصل نہیں کر سکتے - کیونکہ ان کا کمینہ قوم میں پیدا ہونا ان لوگوں کے ان کی پیروی کرنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے - جن لوگوں کی طرف وہ خدا کے رسول بنا کر مبعوث کئے جائیں" +

کمینہ لوگوں میں بھی متقی - پارسا اور پرہیزگار ہوتے ہیں لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے پیغامبر منتخب کیا کرتا ہے وہ ہمیشہ اعلےٰ اور شریف النسب ہوا کرتے ہیں - "دوسرے سوال کے متعلق قیصر نے کہا - کہ اگر قریش میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوتا - تو یہ گمان کیا جاسکتا تھا - کہ خاندانی خیال کا اثر ہے" تیسرے استفسار کے متعلق قیصر نے کہا - کہ "اگر اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ ہوا ہوتا - تو یہ سمجھا جاسکتا تھا - کہ اسے بادشاہت کی ہوس ہے" پھر ساتویں استفسار سے قیصر نے استنباط کیا کہ "اگر اس نے انسانوں کے ساتھ کبھی جھوٹ نہیں بولا - تو پھر یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر جھوٹ باندھے - اور پھر باقیماندہ استفسارات کے جواب میں کہا - اگر وہ بالکل سچ ہے - تو یاد رکھو کہ اس پیغمبر زمان کی صداقت میں کسی قسم کا شک و شبہ

نہیں۔ کیونکہ سچے پیغمبروں کی یہی نشانیاں ہوا کرتی ہیں۔ مجھے خود ایک آنے والے پیغمبر کا خیال تھا۔ جو کہ عرب میں پیدا ہوگا۔ اور کہ جس کا قبضہ میرے قدمگاہ تک ہو جاویگا۔ کاش کہ میں وہاں جا سکتا اور خود اُس کے پاؤں دھوتا +

اِس گفتگو کے بعد قیصر نے خود نامۂ مبارک پڑھ کر معزز ارا کین دربار کو ارشاد فرمایا۔ کہ وہ مقام حنین شاہی دربار میں حاضر ہوں۔ جب وہاں پر شاہی دربار منعقد ہوا۔ تو قیصر نے نامہ مبارک کے الفاظ کو جو ذیل میں درج ہیں پڑھنے کا ارشاد کیا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
من محمد عبد اللہ ورسولہ الی ھرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم الاریسین ویا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا ارباباً من دون اللہ فان تولوا فاشھدوا بانا مسلمون +

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محمد کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے۔ یہ خط ہرقل کے نام ہے۔ جو روم کا رئیس اعظم ہے۔ اُس پر سلامتی ہو۔ جو ہدایت کی تتبع کرتا ہے۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں اسلام لا۔ تو سلامت رہیگا۔ خدا تجھ دُگنا اجر دیگا۔ اور اگر تو نے نہ مانا تو اہل مُلک کا گناہ تیرے اُوپر ہوگا۔ اے اہلکتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے۔ وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی (خدا کو چھوڑ کر) خدا نہ بنائے۔ اور تم نہیں مانتے۔ تو گواہ رہو۔ کہ ہم مانتے ہیں۔

فرمان رسالت کے الفاظ پڑھے جانے کے بعد ہرقل قیصر روم نے اہل دربار کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ اے سرداران روم اگر تم اپنی سلامتی اور ہدایت چاہتے ہو۔ تو عرب کے نبی کریم صلعم کی تتبع اختیار کرو۔ اس پر تمام اہل دربار سخت برہم ہوئے۔ اور انہوں نے اپنی صلیبیں اُٹھا لیں۔ اور اُن کو ہوا میں اُونچا کھڑا کیا۔ اس پر سلیم الفطرت قیصر نے کہ جس کے قلب سلیم میں ایمان کی چنگاری سُلگ چکی تھی۔ اور اُس کے دل میں نور اسلام گھر کر چکا تھا۔ کہا۔ کہ مجھے تو فقط تمہارے ایمان کی آزمائش کرنی تھی۔ اور اب مجھے تمہاری

وفاداری۔ جاں نثاری اور استقلال پر کامل اطمینان ہے۔ گو قیصر کا دل تو نور ایمان سے منور ہو چکا تھا لیکن تخت و تاج کی لالچ ہی فقط اعلان اسلام میں حائل ہوئی +

ایک باکمال و قابل نمونہ خاوند

حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بدنام کنندہ تک بھی اس بات کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ آپ واقعی ایک باکمال و قابل نمونہ خاوند تھے۔ اگرچہ عربوں میں ایک سے زیادہ بیوی کرنے کی رسم تھی۔ مگر پھر بھی نبی کریم صلعم ایک ہی بیوی یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ہی قانع رہے۔ اور انکی وفات تک آپنے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ حالانکہ حضرت خدیجہ ایک بیوہ عورت تھیں۔ اور حضرت نبی کریم صلعم سے عمر میں بھی بہت بڑی تھیں۔ ان باتوں کے ہوتے ہوئے بھی آپ کو حضرت خدیجہ سے بڑی گہری محبت تھی۔ اور آپ انکی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ کی حین حیات میں آپ اپنی محبت میں بڑے ثابت قدم رہے۔ اور انکی وفات کے بعد جب کبھی بھی انکا ذکر آتا تھا۔ تو آپ کا دل بھر آتا تھا۔ ایک موقع پر آپنے اپنی پیاری بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا "کہ خدیجہؓ سے بہتر میں نے کوئی بیوی نہیں دیکھی۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں جبکہ تمام لوگ مجھ سے نفرت کرتے تھے۔ اور جبکہ میں غریب تھا تو وہ میری ضروریات زندگی کی کفیل ہوئیں"۔ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں۔ کہ مجھے حضرت خدیجہ کے سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی اور بیوی پر کبھی رشک نہیں آیا۔ حالانکہ حضرت خدیجہ کبھی کی فوت بھی ہو چکی تھیں۔ اور میں نے انہیں کبھی دیکھا بھی نہ تھا۔ مگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پھر بھی نہایت محبت اور تعظیم سے آپ کو یاد کیا کرتے تھے۔ اور جب کبھی آپ کوئی بکرا حلال کرتے تھے تو گوشت کے ٹکڑے حضرت خدیجہؓ کی پرانی سہیلیوں کو بھی ضرور بھجوایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ کبھی کبھی میں نبی کریم صلعم سے نہایت تعجب سے پوچھتی تھی کہ کیا حضرت خدیجہؓ کوئی دنیا میں یکتا اور نرالی عورت تھیں۔ تو آپ فرماتے

تھے کہ واقعی وہ ایک بے نظیر عورت تھیں"۔

اس بات کا خیال دل میں ضرور رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت محبت تھی۔ مگر اس وجہ سے آپ کے اپنی دوسری بیویوں سے سلوک میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ نبی کریم صلعم اکثر اپنی بیویوں کا گھر کے کام وکاج میں ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ اور آپؐ کی بیوی حضرت میمونہؓ اکٹھے نماز پڑھ رہے تھے۔ اور آپ دونو کے سر پر ایک ہی کپڑا تھا۔ ایک دفعہ آپؐ کی بیوی حضرت صفیہؓ اونٹ پر چڑھنے لگیں تو آپ نے اپنے گھٹنے کا زینہ بنا دیا جس پر وہ پاؤں رکھ کر وہ اونٹ پر چڑھ گئیں۔ آپؐ کھانا اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ ہی کھایا کرتے تھے۔ اور اسی گلاس سے پانی پیتے تھے جس سے وہ پیتی تھیں۔ کبھی آپؐ اپنی بیویوں سے نہایت پاک مذاق بھی کر لیا کرتے تھے۔ اور بعض دفعہ آپؐ حضرت عائشہؓ کے ساتھ مذاقاً دوڑا بھی کرتے تھے۔ کہ دیکھیں کون آگے بڑھ جاتا ہے۔ اور بعض دفعہ آپ حضرت عائشہؓ کی گود میں سر رکھ کر قرآن شریف کی آیات کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

یہ ناممکن ہے کہ آدمی محسوس نہ کرے کہ یہ بے نظیر انسان ایک نہایت سادہ مزاج۔ نرم دل۔ اور فرشتہ سیرت انسان تھا۔ جو کہ ایک ہی وقت میں رسول امام و پیشوا اور شہنشاہِ عرب تھا۔ اور جس نے کہ چند ہی سال میں عرب کی طرز معاشرت و زندگی کی رو کو بالکل بدل دیا۔ اور دنیا کو ایک نیا اور مکمل مذہب عطا فرمایا۔

موسم سرما کا بے نظیر تحفہ

جو لوگ دماغی محنت کے عادی ہیں انکے لئے یہ بے ضرر زود اثر مفرد دوائی خالص ست سلاجیت (موسیائی) از حد درجہ کی مفید ہے۔ یہ دوائی مقوی اعضاء معدہ و باہ ہے۔ گردہ و مثانہ کو مضبوط کرتی ہے۔ زکام۔ ریزش درد کمر یا دیگر دردوں کو بھی جو ریح یا چوٹ کے باعث ہوں دور کرتی ہے۔ ہر ایک قسم کی کمزوری کیلئے اکسیر ہے دیکلاء طلباء اور دماغی کام کرنیوالوں کیلئے مفید ہے تمام دن محنت کے بعد اسکے استعمال سے بہت کم تھکاوٹ ہوتی ہے۔ مرد و زن بچہ و بوڑھا ہر موسم میں بلاتمیز استعمال کرسکتے ہیں۔ قیمت فی تولہ ایک روپیہ ۱ عہ محصولڈاک علیحدہ ہوگا۔ ایک سے دو رتی حسب مزاج ہمراہ دودھ استعمال کریں۔ تاجران ادویات کو ۲۵ فیصدی کمیشن ملیگی۔ ایجنسی کیلئے تاجر صاحبان فوراً درخواست دیں۔

مینیجر کارخانہ سلاجیت عزیز منزل لاہور

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت

اور اخلاق کے متعلق آپ کی بیوی

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی شہادت

جبکہ فرشتہ خدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہلی وحی الٰہی لیکر آیا تو اس کے بعد آپ اپنی بیوی خدیجہؓ کے پاس تشریف لائے۔ اور اپنی جان کے خطرے کو ظاہر کیا۔ اُس وفادار بیوی نے فرمایا "کبھی نہیں! اللہ تعالیٰ تمہیں کبھی بھی ضائع نہیں کریگا۔ آپ حق قرابت کی حفاظت کرتے ہیں اور صلہ رحمی فرماتے ہیں۔ آپ بے خانمان غریب بے یار و مددگار لوگوں کی مدد فرماتے ہیں۔ آپ مفلس اور غریب لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ آپ مہمانوں کی خاطر و تواضع میں کوئی دقیقہ نہیں فروگذاشت کرتے۔ اور مصیبت زدہ اور ایذا رسیدہ لوگوں کی ہر طرح مدد فرماتے اور انکو تسلی دیتے ہیں" +

عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ میاں اور بیوی سے بڑھ کر اور کسی دو شخصوں میں ویسی بے تکلفی اور ایکدوسرے سے گہری واقفیت نہیں ہو سکتی۔ ایک دوسرے سے پیوستہ ہونا شکوک اور خواہشات کا ممکن ہوتا ہے۔ اگر دنیا میں کسی شخص کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دوسرے کے پوشیدہ اور مخفی تر رازوں سے واقف ہے تو وہ شخص وہ مرد ہے یا عورت ہے جنمیں تعلقات زن و شوہر قائم ہیں۔ پندرہ برس تک حضرت خدیجہؓ نبی کریم صلعم کے ساتھ رہیں اور اس اثنا میں آپکے لڑکے اور لڑکیاں بھی پیدا ہوئیں۔ آپ نبی کریم صلعم کی نیک خصلت اور مزاج اور دلیرانہ طبیعت کی پورے طور پر مداح تھیں۔ جن باتوں کو آپ کی چپ چاپ اور غور و فکر کرنے کی عادت دوسرے لوگوں سے چھپا سکتی تھی۔ مگر آپ کی بیوی سے نہیں چھپا سکتی تھی۔ آپ حضرت خدیجہؓ کی حین حیات میں اُن سے بھی ویسی ہی محبت اور اُلفت کرتے تھے

جیساکہ وہ ان سے کرتی تھیں۔ اور اُنکی وفات کے بعد بھی آپ اُن کو بڑی محبت سے یاد فرماتے تھے۔ آپؐ کی حضرت خدیجہؓ سے محبت اور گہرے تعلق کا اسبات سے اندازہ ہوسکتا ہے۔ کہ عید الضحیٰ کی قربانی کے موقع پر یا جب کبھی بھی آپ قربانی فرماتے تھے۔ تو حضرت خدیجہؓ کی پُرانی سہیلیوں کو کبھی نہ بھولتے تھے۔ اور اُن کو بھی گوشت بھجوا دیا کرتے تھے

ایسے حالات کے ماتحت ایک شریف خاتون کی شہادت ان تمام میور زسپرینجرز اور مارگولیتھ (عیسائی مورخوں کے نام ہیں) کے خبیث گروہ کی شہادت سے کہیں زیادہ قابل عزت و قابل اعتبار ہے۔ حضرت خدیجہؓ کی حیثیت اور مرتبہ ایسا تھا کہ آپ نبی کریمؐ کی سیرت اور چال وچلن سے خوب واقفیت حاصل کرسکتی تھیں۔ تاکہ یہ لوگ جوکہ اندھیرے میں ہاتھ مار مار کر یہ ٹٹولنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ایسی زبردست شخصیت کے اندر وہ کیا بات تھی جس نے کہ اتنی تھوڑی مدت میں دُنیا کا تختہ اُلٹ دیا

حضرت خدیجہؓ نہ صرف اپنی پندرہ برس کی بیاہتا زندگی میں نبی کریم صلعم کی سیرت سے واقف ہونے کی وجہ سے بلکہ آپؐ کی بچپن کی مکّی زندگی سے بھی واقف ہونے کی وجہ سے (جبکہ آپ الامین (یعنی وفادار اور دیانتدار) کہہ کر پکارے جاتے تھے) یہ نہایت وثوق سے کہہ سکتی تھیں۔ کہ خدا تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کریگا" گویا آپؐ کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام خوبیوں اور نیکیوں کے جامع اور نمونہ تھے۔ اور کوئی ایسی نیکی اور خوبی نہ تھی جوکہ آپؐ میں موجود نہ ہو۔ سو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ آپ کو کس طرح ضائع کر دیتا +

کوئی شخص بھی چاہیے وہ دہریہ ہی کیوں نہ ہو۔ ایک ایسی خاتون کی شہادت کو نظرانداز نہیں کرسکتا جوکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسی محبوب اور عزیز تھیں۔ اور اس کے ساتھ ہی آپؐ کے ہم ملک اور ہمقوم لوگوں کی شہادت کو بھی جوکہ تمام کے تمام آپؐ کو سب سے زیادہ دیانتدار اور راستباز انسان خیال کرتے تھے

اور الامین کہکر پکارتے تھے +

صلوا علیہ وسلم

نعت

عجب نوریست در جانِ محمدؐ — عجب لعلیست در کانِ محمدؐ
زظلمتها دلے آنگہ شود صاف — کہ گردد از محبانِ محمدؐ
عجب دارم دلِ آن ناکساں را — کہ رو تابند از خوانِ محمدؐ
ندانم ہیچ نفسے در دو عالم — کہ دارد شوکت و شانِ محمدؐ
خدا زاں سینہ بیزارست صد بار — کہ ہست از کینہ دارانِ محمدؐ
خدا خود سوزد آن کرمِ دُنی را — کہ باشد از عدوّانِ محمدؐ
اگر خواہی نجات از مستیٔ نفس — بیا در ذیلِ مستانِ محمدؐ
اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت — بشو از دل ثنا خوانِ محمدؐ
اگر خواہی دلیلِ عاشقش باش — محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ
سرے دارم فدائے خاکِ احمدؐ — دلم ہر وقت قربانِ محمدؐ
بگیسوے رسول اللہ کہ ہستم — نثارِ روئے تابانِ محمدؐ
درین راہ گر کشندم ور بسوزند — نتابم رو ز ایوانِ محمدؐ
بکارِ دین نترسم از جہانے — کہ دارم رنگِ ایمانِ محمدؐ
بسے سہل ست از دنیا بُریدن — بیادِ حُسن و احسانِ محمدؐ
فدا شد در رہش ہر ذرّہ من — کہ دیدم حُسنِ پنہانِ محمدؐ
دگر استاد را نامے ندانم — کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ
بدیگر دلبرے کارے ندارم — کہ ہستم کشتۂ آنِ محمدؐ
مرا آن گوشۂ چشمی بباید — نخواہم جز گلستانِ محمدؐ
دلِ زارم بہ پہلویم مجو شد — کہ بنشینمش بداماںِ محمدؐ
من آن خوش مرغ از مرغانِ قدسم — کہ دارد جا بہ بستانِ محمدؐ
تو جانِ ما منوّر کردی از عشق — فدایت جانم اے جانِ محمدؐ
دریغا گر دہم صد جاں درین راہ — نباشد نیز شایانِ محمدؐ
چہ ہیبتہا بدادند این جواں را — کہ ناید کس بمیدانِ محمدؐ
الا اے دشمنِ نادان و بے راہ — بترس از تیغ و بُرّانِ محمدؐ
رہِ مولے کہ گم کردند مردم — بجو در آل و اعوانِ محمدؐ
الا اے منکر از شانِ محمدؐ — ہم از نورِ نمایانِ محمدؐ

قرآن شریف فرماتا ہے :-

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝ (سورۃ النسا۔ رکوع ۱۰)

ترجمہ۔ اور (مسلمانو) تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور اُن بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لئے دشمنوں سے نہیں لڑتے جو دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی (یعنی مکے) سے نجات دے جہاں کے رہنے والے ہم پر ظلم کر رہے ہیں۔ اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا۔ اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا" +

جب تمام نوجوان اور جبری جانبازوں نے اپنے آپ کو فوج میں داخل کر دیا تو اور آدمیوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور یہ ضروری معلوم ہوا کہ مستقل پیشہ و عادات کو بھی بھرتی کیا جائے۔ اور ان کو یہ جتلایا گیا۔ کہ یہ ایک فرض ہے جو کہ ادا کرنا ہے صرف ملکی فرض کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ مذہبی فرض سمجھ کر بھی کیونکہ اُن کو اپنی جانیں قربان کرنی پڑینگی۔ کیا تمام انجیل میں کہیں بھی اس قسم کی عبارت ہے جو کہ اس قسم کی کارروائی کو جائز قرار دیتی ہو؟ مگر قرآن شریف میں کئی جگہ مذہبی جہاد کے موقع پر جبری جنگی بھرتی کے جواز کا ذکر آیا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ گذشتہ جنگ انہی معنوں میں ایک مذہبی جنگ تھی۔ مگر یہ میں ضرور کہونگا کہ انگریزی آبادی کا بہت سا حصہ اسکو یہی خیال کرتا تھا۔ چنانچہ گورنمنٹ نے بھی یہی اعلان کیا تھا۔ کہ یہ لڑائی کمزور آدمیوں عورتوں اور بچوں کی خاطر لڑی جا رہی ہے۔ قرآن مجید میں مقدس عبارتوں کے بیشمار ذخیرہ سے میں یہاں صرف دو ہی بیان کرتا ہوں :-

(۱) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ ترجمہ (مسلمانو) [illegible] تم پر جہاد فرض کیا گیا اور وہ تم کو ناگوار بھی گزریگا۔ اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو [illegible] لگے [illegible] تمہارے حق میں بہتر ہو اور

عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے۔ اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے + (سُورۃ البقر رکوع ۲۶)

(۲) وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (سُورۃ البقرۃ۔ رکوع ۳۳)

ترجمہ:۔ "اور اگر اللہ بعض لوگوں کے ذریعے سے بعض کو نہ ہٹاتا رہے تو ملک (کا انتظام) درہم برہم ہو جائے لیکن اللہ دنیا کے لوگوں پر مہربان ہے" +

سوا سبات کو تسلیم کر لو کہ ہم اپنی حفاظت کے لئے لڑ رہے تھے۔ اور مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت اور حفاظت اور بدی کے تدارک کی خاطر جنگ کر رہے تھے۔ کیا عیسوی اناجیل میں کہیں بھی ایسے مطلب کی خاطر جنگ کرنا جائز قرار دیا گیا ہے؟ حالانکہ دوسری طرف قرآن کریم بڑے زور سے جواب طلب کرتا ہے:۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ج وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۔ ترجمہ:۔ (مسلمانو) تم کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ اللہ کی راہ میں اور اُن بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لئے دشمنوں سے نہیں لڑتے جو دُعائیں مانگ رہے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے نجات دے جہاں کے رہنے والے ہم پر ظلم کر رہے ہیں۔ اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا۔ اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا (سُورۃ النساء رکوع ۱۰) +

اسبات کو تسلیم کر لو کہ ہم پہلے حملہ آور نہیں ہوئے۔ اور ہم نے پہلے زیادتی نہیں کی۔ کیا انجیل مقدس میں سے کوئی عبارت پیش کیجا سکتی ہے۔ جو کہ ہماری کارروائی کی تصدیق کرنے میں قرآن مجید کی اس آیت سے مقابلہ کر سکے؟

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۔ ترجمہ (مسلمانو) جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کے رستے (یعنے دین کی حمایت) میں ان سے لڑو۔ اور زیادتی نہ کرنا۔ اللہ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔
(سورۃ البقر رکوع ۲۴)

آپ کو یاد ہوگا کہ جب پہلے پہل زہریلی گیس جنگ میں استعمال کی گئی۔ تو یہاں بہت سے لوگ تھے جن کا خیال تھا۔ کہ ہمیں اس کے بدلے میں گیس استعمال نہیں کرنی چاہئے۔ یہ ایک نہایت قبیح جنگی کارروائی تھی جس سے ہم اپنے ہاتھ آلودہ کرنا کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ مگر قصاص اور بدلہ انسان کی ہستی کا ایک بنیادی اصول ہے۔ ایک دفعہ بھی ضرورت بیشیہ کی طرح پھر غالب آئی۔ کیونکہ جب انہوں نے سنا کہ اس نئے آلہ حرب سے ہمارے آدمیوں کو کتنی سخت جانکاہ تکلیفیں اور ایذائیں پہنچائیں۔ اور یہ کہ اگر ہم اس کا عوض اور بدلہ نہ لیں تو دشمن اس سے بیشمار فوائد اٹھائیگا۔ تو سنجیدہ مزاج اور نرم دل لوگ بھی اس بات سے ہچکچاتے سے رک گئے اور ذکی الحس اور رقیق طبیعت والے تو بالکل بیرحم اور کینہ ور ہو گئے۔ مگر عام خیال اور رائے جسکو کہ میں مذہبی رائے کہونگا یہ تھی کہ بدلہ برابر کا لیا جائے۔ اور کسی قسم کی زیادتی نہ ہو پھر پہلے پہل غیر محفوظ شہروں پر ہوائی حملے ہوئے اور جب پہلے پہل جرمنی میں ہمارے قیدیوں کے ساتھ بیرحمانہ سلوک کی خبریں آئیں۔ تو بہت سے لوگ تھے جو کہ اسی قسم کے انتقام اور بدلے کے برخلاف تھے۔ اس قسم کی جنگی کارروائی ہمارے ایک ہی نسل اور جماعت ہونے کی حیثیت سے بالکل شایان نہیں تھی۔ مگر آہستہ آہستہ جوں جوں کہ غضب و غصہ بڑھتا گیا۔ لوگ اس قسم کے انتقام اور بدلے کو جائز سمجھنے لگ پڑے۔ ذکی الحس اور رقیق طبع آدمی پھر بیرحم اور کینہ ور بن گئے۔ مگر مذہبی رائے ایک مساوی انتقام کے سوا اور کسی کے حق میں نہ تھی۔

قرآن شریف کے لفظوں کو بغور سنو +

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَىٰ بِالْأُنثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (سورۃ البقرۃ۔ رکوع ۲۲) + ترجمہ مسلمانو جو لوگ مارے جائیں ان میں تم کو بدلے کا حکم دیا جاتا ہے آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے

غلام اور عورت کے بدلے عورت پھر جس (قاتل) کو اُس کے بھائی (طالب قصاص) سے کوئی جزو (قصاص) معاف کر دیا جائے۔ تو (وارث مقتول کی طرف سے) اُس کا (یعنی خوں بہا) مطالبہ دستور کے مطابق اور وارث مقتول کو خوش معاملگی کے ساتھ (خوں بہا) ادا کر دینا یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے حق میں آسانی اور مہربانی ہے پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے تو اس کے لئے عذاب دردناک ہے اور عقلمندو قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔ تاکہ تم (خونریزی سے) باز رہو"۔

(۲) وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (سورۃ البقر رکوع ۲۴)

ترجمہ "اور (جو لوگ تم سے لڑتے ہیں) اُن کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے تم بھی اُن کو (وہاں سے) نکال باہر کرو۔ اور فساد (کا برپا رہنا) خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور جب تک کافر حرمت والی مسجد (یعنی خانہ کعبہ) کے پاس تم سے لڑیں تم بھی اُس جگہ اُن سے نہ لڑو لیکن اگر وہ لوگ تم سے لڑیں تو تم بھی اُن کو قتل کرو۔ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے"۔

(۳) اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (سورۃ البقر رکوع ۲۴) ترجمہ "حرمت والے مہینوں کا معاوضہ حرمت والے مہینے اور (حرمتوں کی خصوصیت نہیں بلکہ) ادب کی (تمام) چیزیں ادلے کا بدلہ تو جو تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اُس نے تم پر کی ویسی ہی زیادتی تم بھی اُس پر کرو۔ اور (زیادتی کرنے میں) اللہ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ ان ہی کا ساتھی ہے جو (اُس سے) ڈرتے ہیں"۔ اسی مطلب کی اور بہت سی آیتیں بھی ہیں +

ایک معمولی سا چھوٹا نکتہ ہی جس نے مجھے ایک سپاہی کی حیثیت سے بڑا متعجب کیا اور ساتھ ہی دلچسپ بھی معلوم ہوا۔ میں ہمیشہ سمجھتا تھا۔ کہ یہ مسیحی تعلیم ہی کہ ہر ایک گندہ بیانی اور فحش اور واہیات گفتگو انسان کے برخلاف اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہی اور اسکی رُوح کی نجات کو خطرے میں ڈال دیگی۔ مگر یہ سمجھ نہیں آتی۔ کہ انگریزی قوم اس عقیدے کو تمام سپاہیوں کے نجات پا جانے کے عام یقین کے ساتھ کیوں ملا دیتی ہی۔ اُن کے لئے جو کہ ایک سپاہی سے محبت رکھتے ہیں یہ ایک قدرتی یقین ہی کہ اُس اعلیٰ وارفع علت کی وجہ سے جس کی خاطر وہ لڑ رہا ہی۔ اور اس بےنظیر قربانی کی وجہ سے جس کی بھینٹ چڑھنے کو وہ تیار ہے اسکے تمام گناہ اور خطائیں معاف کر دیجائینگی۔ مگر اناجیل عیسوی میں اس کی کہیں بھی اجازت یا تصدیق نہیں آئی۔ حالانکہ بیہودہ اور فضول گوئی کے متعلق جو عقیدہ ہے۔ اسکی پھر بھی کچھ تائید اور تصدیق ہوتی ہی۔ اور کسی قسم کے لوگ بھی ایسی اکھڑ اور فحش زبان نہیں بولتے جیسا کہ انگریزی سپاہی بولتے ہیں (ماسوائے اطالین اور فرانسیسی سپاہیوں کے جو کہ سرتاپا کلمۂ کفر مذمت دین میں ڈوبے ہوئے ہیں) اور مزا یہ ہے کہ اُنکی نیت بالکل صاف ہوتی ہی۔ مجھے ڈر ہی کہ ان کا مذہب اُن کو ملعون قرار دیتا ہی مگر قرآن شریف فرماتا ہے:۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (سورۃ البقرہ رکوع ۲۸)

ترجمہ "تمہاری قسموں میں جو لایعنی ہیں اُن پر تو خُدا تم سے کچھ مواخذہ کرتا نہیں لیکن اُن (قسموں) پر تم سے (ضرور) مواخذہ کریگا جو تمہارے دلی ارادے سے ہوں۔ اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے"۔

یہ ہی جو کہ قرآن شریف اِن سپاہیوں کی قسم کے متعلق فرماتا ہے جو کہ خدا کی راہ میں لڑ کر مارے جاتے ہیں یعنی جو کہ سچے مذہب کی حفاظت میں مظلوموں اور کمزوروں کی خاطر۔ اور بدی کا تدارک کرنے میں مارے جاتے ہیں +

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ

وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ رکوع ۱۹) ترجمہ۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُن کو مرا ہُوا نہ کہنا (وہ مرے نہیں) بلکہ زندہ ہیں (مگر انکی زندگی کی حقیقت) تم نہیں سمجھتے۔ اور البتہ ہم تم کو تھوڑے سے خوف سے اور بھوک سے اور مال اور جان اور پیداوار (اراضی) کی کمی سے آزمائیں گے۔ اور (اے پیغمبر) صبر کرنیوالوں کو (خوشنودی خدا اور کشائش کی) خوش خبری سُنا دو۔ یہ لوگ جب ان پر مصیبت آپڑتی ہے تو بول اُٹھتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں۔ اور ہم اُسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اُنکے پروردگار کی عنایت اور رحمت ہے اور یہی راہ راست پر ہیں"۔

اس موجودہ جنگ میں لوگوں کو یوں مخاطب کیا گیا تھا۔ اس ملک کیخاطر مرمٹو جس کی خاطر تمہارے باپ دادا نے جانیں لڑا دیں۔ اُنہوں نے ہر طرح کی صعوبتیں برداشت کیں۔ تاکہ یہ مُلک تمہارے لئے ہر طرح محفوظ اور مامون رہے۔ اگر اب تم اپنا فرض ادا کرنے سے جی چُراؤ۔ تو تم انگریز کہلانے کے کسی طرح اہل نہیں ہو۔ کیا یہ ترغیب و تحریک اس قرآن شریف کی ایک دُنیاوی صدائے بازگشت نہیں ہے۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ سورۃ البقرۃ رکوع ۲۶) ترجمہ۔ "کیا تُم ایسا خیال کرتے ہو کہ بہشت میں جا داخل ہوگے اور ابھی تک تمکو اُن لوگوں کی سی حالت پیش نہیں آئی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ کہ اُن کو سختیاں پہنچیں اور تکلیفیں بھی پہنچیں۔ اور جھڑ جھڑائے گئے۔ یہاں تک کہ پیغمبر اور ایمان والے جو اُنکے ساتھ تھے چلا اُٹھے کہ خدا کی مدد کا کوئی وقت بھی ہے۔ سنبھلو سنبھلو۔ اللہ کی مدد (کا وقت) قریب ہے"۔

آخر کار اب جبکہ لڑائی ختم ہو چکی ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ دشمنوں سے بیرحمانہ سلوک کرنے کے خواہشمند ہیں۔ بلا استثناء اس کے کہ وہ سپاہی ہیں یا عام شہری۔ مرد ہیں یا عورتیں یا بچے۔ یہ خواہش اسلامی تعلیم سے کوسوں دور ہے۔ مگر جمہور کا یہی خیال ہے کہ جہانتک حالات اجازت دے سکیں وہاں تک جرمنوں سے نیک اور دوستانہ سلوک کرنا چاہیئے۔ مگر اس شرط پر کہ جو جو اشخاص ان جرموں اور بیرحمیوں کے بانی مبانی ہیں وہ تلاش کر کے پکڑے جائیں اور اپنی کیفر کردار کو پہنچیں میرا خیال نہیں کہ عیسائیوں کی انجیل کی کوئی عبارت اس خیال کی تائید کرتی ہو۔ اگرچہ انتقام کے مسئلہ کی پرانا عہد نامہ کئی جگہ تائید کرتا ہے یہودی اپنے وطن فلسطین میں محب وطن ہونے کی حیثیت سے نہایت تنگدل بیرحم اور کینہ ور لوگ تھے۔ قرآن شریف کہیں بھی انتقام کی سپرٹ کو پسند نہیں کرتا۔ اور لڑائی کے خاتمے پر ہر طرح کی دشمنی کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ سوائے بدمعاشوں کی مخالفت کرنے کے جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے:۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ رکوع ۲۴)

ترجمہ "اور وہاں تک اُن سے لڑو کہ (مُلک میں) فساد (باقی) نہ رہے۔ اور (ایک) خدا کا حکم چلے۔ پھر اگر (فساد سے) باز آجائیں۔ تو (اُن پر کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ زیادتی (تو) ظالموں کے سوا کسی پر (جائز ہی) نہیں" +

باب سوم

غزواتِ نبوی

عیسائی دُنیا میں اب تک یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک بڑا جنگجو اور لڑاکا انسان تھا۔ جو کہ لڑائی کو بحث و مباحثہ پر ترجیح دیتا تھا۔ اور جسکی سب سے زیادہ مضبوط دلیل اور حجت زبردستی اور لڑائی تھی مگر اس قسم کے خیالات کی کوئی تاریخی بنا

نہیں ہے +

حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے پہلے انسان تھے پہلے چالیس سالوں میں جبکہ آپ کو ابھی نبوت عطا نہیں ہوئی تھی۔ ایک نہایت ہی امن دوست منشیات سے متنفر۔ باعصمت اور راستباز دیانتدار انسان تھے اور ایسے لوگوں میں رہتے تھے جو کہ اپنی بدمعاشیوں اور زیادتیوں میں مشہور تھے۔ انہوں نے اپنے عمدہ چالچلن کی وجہ سے الامین کا خطاب حاصل کیا تھا۔ اور لوگوں میں صلح کرانے کی وجہ سے بھی کچھ کم مشہور نہ تھے مگر عطاء نبوت کے بعد جب آپ نے روحانی اور نبوت کی آنکھوں سے اپنے لوگوں کے گندے اور فحش خیالات اور اعمال کو دیکھا تو آپ کو سخت دکھ اور تکلیف پہنچی۔ اور آپ نے جان لیا۔ کہ ان لوگوں کو ان گندگیوں سے نکالنے کا انسانی طاقت سے بالاتر کام آپ کے حصے میں مقدر ہے۔ چنانچہ پہلے بارہ سال تک آپ نے سخت مصائب اور تکالیف جھیل کر اللہ تعالیٰ کے نام کی منادی کی۔ آپ نے خانہ کعبہ میں اور دیگر پبلک جگہوں پر کئی دفعہ کافروں سے بحث و مباحثہ اور ان کو سمجھانے میں ہر روز اپنی جان کو خطرے میں ڈالا آپ کے پیروؤں کی تکالیف اور شہادتیں اور اپنا بھی اسی قسم کا انجام ہونے کے خطرے نے غرضکہ کسی چیز نے بھی آپ کو کافروں سے بدلے میں ویسا ہی سلوک کرنے پر آمادہ نہیں کیا۔ اور اسبات پر یقین کرتے ہوئے کہ آپ سب سے پہلے زمانہ میں خدا تعالیٰ کا انسان کو آخری پیغام حضرت عیسیٰ کے ذریعے وحی ہوا۔ اور کیونکہ آپ پر اس وقت تک کوئی وحی ایسی نازل نہیں ہوئی تھی جو کہ ہتھیار اٹھانے کی اجازت دے۔ اسلئے آپ نے کامل مذہبی طور پر حضرت عیسیٰ کی نرم اور غیر مقاومت پالیسی اختیار کر لی۔ اور اپنے پیروؤں کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔ مخالفین اسلام یہ ضرور کہیں گے۔ جیسا کہ وہ اکثر کہتے آئے ہیں۔ کہ نبی کریم صلعم اس بات کا انتظام کر رہے تھے۔ کہ ان کے پاس ایک لشکر جمع ہو جائے۔ تب وہ کوئی کارروائی کریں اگر آپ مدینے کو ہجرت کرنے سے پہلے مکہ معظمہ میں لڑائی کرنا چاہتے۔ تو وہ اپنے خاندان اور قبیلے کے ایک گروہ کثیر کی کمان کر سکتے تھے۔ کیونکہ اگرچہ وہ لوگ بت پرست تھے۔ مگر سوائے ابولہب کے سب آپ کو قتل سے بچانے کے لئے ہر طرح کمربستہ تھے

اخلاق و عادات نبوی

(از قلم حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ)

حضور رسالت مآب نبی کریم صلعم کی قلمی تشبیہ

(حلیہ مبارک)

آپ کا قد مبارک نہ لمبا تھا نہ چھوٹا۔ جب آپؐ تنہا چلتے لوگ کہتے آپ چھوٹے قد کے ہیں۔ حالانکہ جب کوئی اور آپؐ کے ہمراہ ہوتا تو آپؐ اس سے قد میں زیادہ ہی نظر آتے خود آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ قد اوسط بہتر ہے۔ آپؐ کا رنگ سفید تو تھا لیکن جس میں نہ گندم گونی ہو۔ اور نہ بہت سفیدی۔ گویا آپؐ کا رنگ رنگ مروارید سے ملتا جلتا تھا یعنی ایسی خالص سفیدی جس میں زردی۔ سُرخی یا کسی اور رنگ کی جھلک تک نہ ہو۔ بعض نے آپ کے رنگ میں سُرخی بھی بیان کی ہے لیکن پھر یہ بھی کہا ہے۔ کہ آپؐ کے ایسے اعضا پر تمازت کا اثر ہوتا مثلاً چہرہ۔ کان۔ گردن۔ سُرخی مائل تھے۔ ان کے بالمقابل باقی آپؐ کے اعضا مبارک جو کپڑے سے ڈھکے رہتے سفید تھے۔ مو شریف گھنگریالے تھے۔ نہ بالکل ڈھلکے ہوئے اور نہ گچھے دار۔ جب شانہ فرماتے۔ تو بالوں میں عنبر کی سی کیفیت پیدا ہوتی بعض کہتے ہیں۔ کہ آپؐ کے بال دوش مبارک تک لٹکتے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ بنائے گوش تک پہنچتے تھے۔ بعض وقت آپؐ کی زلفیں کان کے دوسری طرف بھی آجاتی تھیں۔ بعض وقت آپؐ کانوں سے اوپر اس طرح شانہ فرماتے۔ کہ گردن نظر آتی۔ ریش مبارک میں صرف سترہ سفید بال تھے۔ مگر اس سے زیادہ نظر آتے تھے۔ حضور کا چہرہ مبارک دوسروں سے زیادہ خوبصورت اور دلربا تھا۔ اور چہرہ مبارک کا حلیہ بیان کرنیوالے ہمیشہ آپ کو بدر کامل سے تشبیہ دیتے ہیں۔ مگر جلد کا رنگ نکھرا ہوا تھا۔ اسلئے رنج و خوشی کے آثار چہرہ مبارک سے نمودار ہو جاتے تھے

بعض سے مروی ہے کہ آپ کے صدیق اکبرؓ آپ کو ایسا بیان کرتے ۔ جیسا کہ ذیل کے الفاظ میں موزون کیا گیا ہے ؎

اِس طرح بے عیب درخشاں عارضِ پرسوز تھے　　تیرگی سے جس طرح خالی شب مہتاب ہو

جبین مبارک کشادہ تھی ۔ اور آبرو پتلی اور گھنی تھیں ۔ اور آبروؤں کے درمیان ایک رو پہلی چمک تھی ۔ چشمانِ مُبارک بڑی بڑی اور سیاہ تھیں جن میں سُرخی کی جھلک تھی ۔ اور مژگان مبارک اسقدر طویل اور گھنی تھیں ۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ وہ آپس میں ملنے لگی ہیں بینی مبارک نسبتاً لمبائی میں ترچھی تھی حضور کے دانت کھلے کھلے تھے ۔ اور جب ہنستے ۔ تو انکی درخشانی بجلی کی چمک دمک کو مات کر دیتی تھی ۔ لب مبارک خوبصورت و دلربا تھے ۔ اور رخساران مبارک نرم نہیں تھے بلکہ سخت تھے اور آپ کا چہرہ مبارک نہ لمبا تھا اور نہ ہی مُدور بلکہ کسیقدر گول تھا اور ریش مبارک گھنی تھی ۔ اور آپؐ اسے تراشا نہ کرتے تھے ۔ بلکہ اُسکو بڑھنے دیتے ۔ آپ موچھوں کو تراش لیا کرتے تھے ۔ گردن مبارک نہ تو زیادہ طویل اور نہ ہی چھوٹی تھی لیکن دوسروں سے زیادہ خوبصورت تھی ۔ گردن کا وہ حصہ جو سورج اور ہوا کے سامنے ہوتا ۔ وہ ایک ویسی ہی صراحی کی طرح کہ جس پر سنہری افشاں ہو درخشاں معلوم ہوتا تھا سینہ مبارک تمام کینہ و عناد سے خالی کشادہ اور وسیع تھا ۔ سینہ کے کسی بھی حصہ کا اُبھار دوسرے حصہ سے اُوپر دکھائی نہ دیتا تھا سینہ مبارک ہموار صاف اور شفاف تھا ۔ چھاتی سے لیکر ناف تک بالوں کی باریک سیلی تھی اس کے علاوہ اور کوئی بال نہ تھا ۔ آنحضرت صلعم کے دونوں شانے کشادہ تھے ۔ اور دونوں شانوں پر کثرت سے گھنے بال تھے ۔ شانے ٹخنے ۔ اور تلاوں مبارک بھرے ہوئے تھے اور پشت مبارک بھی کُشادہ تھی ۔ اور آپ کے دونہ شانہ پر ایک مُہر سا نشان تھا ۔ اور اس مُہر میں سیاہ تل تھا ۔ جو کسی قدر زرد تھا ۔ اور اس کے گرد کچھ چھوٹے بال تھے ۔ دونوں دست مبارک اور بازو پُر گوشت تھے ۔ اور کلائیاں لمبی اور ہتھیلیاں کُشادہ تھیں ۔ اور ہاتھ اور پاؤں کشادہ اور فراخ تھے ۔ آپ کی ہتھیلیاں مبارک مخمل کی طرح نرم تھیں ۔ اور ایک عطار کی ہتھیلیوں کی طرح ان میں سے خوشبو کی مہک آتی تھی ۔ پنڈلیاں اور

رانیں مبارک پُر گوشت تھیں جسم مبارک متوسط طور پر مضبوط تھا عالم پیری میں بھی حضور قوی الاعصاب تھے۔ چال چلن میں استقلال ٹپکتا تھا۔ اور قدم مبارک محکم ہوتا۔ چلتے وقت آگے کو جھک کر چلا کرتے بہت چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھایا کرتے مشابہت میں آپ فرماتے۔ کہ میں زیادہ تر آدم سے ملتا جلتا ہوں۔ لیکن جسمانی بناوٹ میں اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہم السلام سے مشابہ ہوں +

خوش گفتاری

حضرت رسالت مآب نبی کریم صلعم گفتگو میں دوسرے لوگوں سے زیادہ فصیح و بلیغ تھے۔ کم سخن اور شیریں کلام تھے۔ اور آپ کی گفتگو معنی خیز اور سلک مروارید کی طرح پیوستہ و مسلسل ہوتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کلام مبارک میں اطناب تھا آپ بہت ہی کم سخن تھے۔ اور عوام الناس کو اپنے اظہار خیالات کے لئے اپنے کلام کو بہت طول دینا پڑتا ہے لیکن کلام مبارک تمام دوسرے لوگوں سے خیر الکلام ہوتا تھا۔ اور آپ اپنے خیالات کا اظہار نہایت ہی مختصر معنے خیز و عام فہم الفاظ میں فرمادیا کرتے تھے۔ اور حضور کے دہن مبارک سے کلمات اس طرح نکلتے تھے جیسا کہ سلک مروارید میں ایک موتی دوسرے کے بعد مسلسل آتا ہے۔ کلام مبارک میں چھوٹے چھوٹے وقفے ہوتے تھے۔ تاکہ سامعین گفتگو کو یاد رکھنے کے قابل ہوسکیں۔ حضور سرور کائنات بلند آواز تھے۔ اور لب و لہجہ بہت ہی دلکش و دلپسند تھا۔ بغیر موقعہ و محل کے کلام نہ فرمایا کرتے تھے۔ اور کبھی بھی کوئی شنیع و قبیح لفظ نہیں فرماتے تھے۔ اور حالت برافروختگی میں بھی کلمہ حق کے سوائے کوئی دوسرا لفظ نہیں فرماتے تھے۔ بدکلام اور فحش گو آدمی سے آپ کو نفرت تھی۔ حضور کے سامنے کوئی شخص دوسرے کی قطع کلام نہ کیا کرتا تھا۔ وہ بہی خواہ عالم سچے ہمدرد کی طرح نہایت سنجیدگی اور متانت سے نیک مشورہ دیا کرتا تھا۔ وہ آقائے نامدار اپنے خدام کے سامنے ہمیشہ متبسم رہتا۔ بسا اوقات اسقدر تبسم کرتا کہ داڑھیں تک دکھائی دیتے +

آنحضرت صلعم دسترخوان پر

حضرت رسالت مآب حضور پر اکتفا فرماتے۔ اکثر احباب جس تشتری میں کھاتے آپ بھی اُسی میں سے

تناول فرماتے وہی حضور کو مرغوب ہوتا۔ جب دستر خوان بچھایا جاتا اور کھانا چنا جاتا تو اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا کرکے دستر خوان پر اس طرح بیٹھتے جیسا کہ ایک مسلم حالت نماز میں بیٹھتا ہے اور ایک ران دوسری سے پیوست ہوتی۔ اور ایک پاؤں دوسرے سے ملا ہوا ہوتا تھا۔ اور حضور سرور دو عالم فرمایا کرتے۔ کہ میں بھی ایک مخلوق ہوں۔ اور دوسری مخلوق کی طرح میری زندگی کا حصر بھی اکل وشرب پر ہے۔ حضور کو گرم طعام سے احتراز تھا بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ ابھی اس طعام میں برکت کی ضرورت ہے۔ اور خدا تعالےٰ ہمیں آگ کھانے کے لئے نہیں دیتے۔ اسلئے اسکو ٹھنڈا ہوجانے دو۔ آپ تین انگلیوں سے اپنے ہاتھ کی درازی کے حدود کے اندر ہی تناول فرمایا کرتے۔ اور بعض وقت چوتھی انگلی لقمہ کے سہارے کیلئے بھی استعمال فرمالیا کرتے۔ ایک دفعہ عثمان بن عفان آپکے پاس فالودہ لائے۔ جب حضور نے ہمیں سے کھالیا تو ان سے دریافت فرمایا۔ ”ابو عبداللہ یہ کیا ہے“ عثمان نے کہا حضور میری جان آپ پر قربان ہو۔ ہم نے روغن اور شہد کو ایک برتن میں ڈالکر آگ پر پکایا۔ اور پھر اسمیں آرد گندم ڈالا۔ اور اسکو چمچہ کے ساتھ ہلاتے رہے۔ یہاں تک کہ پک کر اسکی وہ حالت ہوگئی جو حضور کے پیش نظر ہے۔ حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا۔ کہ ”یہ کھانا نہایت لذیذ ونفیس وخوش ذائقہ ہے“۔

حضرت نبی کریم صلعم بغیر چھنے موٹے جو کے آٹے کی روٹی کھالیا کرتے تھے۔ اور سبز کھیرا کو سبز کھجوروں اور سبز پھلوں کے نمک کے ساتھ کھالیا کرتے۔ اور باقی تمام چیزوں سے انگور اور تر کھجور آپ کے زیادہ مرغوب خاطر تھے۔ روٹی اور قند کے ساتھ خربوزہ کھاتے تھے بعض اوقات سبز کھجوروں کے ساتھ خربوزہ کو دست مبارک سے کھاتے تھے۔ ایکدفعہ جبکہ دائیں ہاتھ سے کھجوریں کھا رہے تھے۔ تو بائیں ہاتھ میں گٹھلیاں رکھتے جاتے تھے۔ اتنے میں ایک بکری اتفاقیہ پاس آئی۔ حضور نے اس کو گٹھلیاں دکھائیں۔ اور اس نے بائیں ہاتھ میں سے گٹھلیاں کھالیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ دائیں ہاتھ سے آپ خود کھجوریں کھاتے جاتے۔ یہاں تک کہ کھجوریں ختم کرلیں۔ اور بکری چلی گئی۔ پانی کے ساتھ جناب رسالتمآب کھجوریں کھایا کرتے۔ اور دودھ کے ایک گھونٹ کے بعد ایک کھجور کھاتے۔ اور پھر وقتاً فوقتاً باری باری بہت سی چیزیں کھاتے اور پیتے تھے +

رعایت رعایت رعایت

آنحضرت صلعم کے یوم ولادت کی تقریب پر اشاعت اسلام بکڈپو کی کتب میں

رعایت

خطبات غربیہ قیمت فی خطبہ ۲ر مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری ایڈیٹر اسلامک ریویو مجریہ لندن۔ یہ معرکتہ الآرا خطبے ہیں جو حضرت خواجہ صاحب نے اپنے قیام لندن میں نا آشنایان اسلام کو اسلام سے معرف کرانے اور ان پر حقانیت اسلام متحقق کرانے کیلئے انگلستان فرانس اور سکاٹلینڈ کے مختلف مقامات پر تقریریں اور لیکچر دیئے۔ اور بعض احباب کی فرمائش پر اردو میں ترجمہ کر کے چھاپے گئے ہیں جو ذیل میں درج ہیں:-

(۱) سلسلہ خطبات غربیہ موسوم بہ مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات۔
(۲) ” ” ” توحید یا تصوف
(۳) خطبات عیدین۔
(۴) دہریوں اور ملحدین کو خطاب
(۵) اسلام اور دیگر مذاہب
(۶) حقوق لنسوان

مکمل سٹ چھ عدد خطبات مجلد ۱۲ بلا جلد ۱۳ر رعایتی

لمعات انوار محمدیہ رسول کریم صلعم کے پاکیزہ حالات آپ کے خلق عظیم کا آئینہ حسن معاشرت کا فوٹو علمی ادبی تمدنی اخلاقی وصلاحی مضامین کا دلنواز مجموعہ آنحضرت کے مختلف شعبہ ہائے زندگی کا دلکش مرقع جسمیں جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری جناب مولوی صدرالدین صاحب بی اے بی ٹی و حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی و جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لاء و جناب مارمڈیوک پکتھال و جناب ایس ایچ لیڈر مصنف ڈیزرٹ و دیگر مشاہیر قوم کے گرانقدر مضامین ہیں جو نہایت قابل دید ہیں۔ در آنحضرت صلعم کو مختلف حیثیتوں میں پیش کیا گیا ہے قیمت ۵ مجلد ۶ر

مروارید ثلاثہ یہ تین کتابیں ہر مسلم گھر میں ہونی چاہئیں

براہین نیرہ حصہ اول (معروف بہ زندہ و کامل الہام) قیمت ۱۰ر۔ اسمیں دکھلایا گیا ہے کہ قرآن خاتم اور ناطق ایک الہامی کتاب ہے جسمیں تہذیب تمدن کے کامل قوانین موجود ہیں

ام الالسنہ (معروف بہ زندہ و کامل الہامی زبان) قیمت ۱ر۔ یہ کتاب بالکل جدید تصنیف ہے اور جدید مضمون پر لکھی گئی ہے اپنی نوع کی پہلی کتاب اردو انگریزی لٹریچر میں لکھی گئی ہے۔ اسمیں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ عربی الہامی زبان ہے اور کل زبانیں اسی سے نکلی ہیں۔ اور ابتداً ان سب ملکوں کے آباد اجداد عربی الاصل تھے +

اسوۂ حسنہ (معروف بہ زندہ و کامل نبی) قیمت ۶ر۔ اسمیں آنحضرت کا کامل نمونہ بحیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مقبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے جس کو پڑھ کر ماننے کے سوا چارہ نہیں رہتا کہ محمد صلعم خاتم النبیین ہیں +

المشتہر منیجر مسلم بک سوسائٹی معروف اشاعت اسلام بکڈپو عزیز منزل لاہور

سالانہ چندہ

اسلامک ریویو و وکنگ لنڈن

اور اُس کا اُردو ترجمہ

سالانہ چندہ

اشاعت اسلام مجریہ لاہور (پنجاب)

ایڈیٹرز۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی و حضرت مولوی صدر الدین صاحب بی اے بی ٹی

بلاد غربیہ میں اشاعت اسلام کا مشعلبردار تثلیث کے مرکز میں توحید کا پیغامبر۔ قرآن کریم کے حسن و جمال کا فوٹو آنحضرت کے پاک حالات اور آپکے خلق عظیم کا آئینہ حسن سیرت و معاشرت کا فوٹو۔ علمی۔ ادبی۔ تمدنی۔ اخلاقی و اصلاحی مضامین کا دلنواز مجموعہ آنحضرت صلعم کے مختلف شعبہ ہائے زندگی کا دلکش مرقع۔ ملت بیضا کی طرف دین اسلام کی دعوت کا ذریعہ۔ ظلمت شب دیجور کی تاریکی میں تجلی کا کام کرنیوالا ایک ہی انگریزی زبان میں ماہواری رسالہ جس نے ایسے قرن میں جبکہ اسلام کے چہرہ پر افترا غلط فہمی اور غلط بیانی کی چادر پڑی ہوئی تھی اس نے چادر کو پھاڑ کر اسلام کے چہرہ سے یورپین آنکھیں چکا چوند کردی اسکا اردو ترجمہ رسالہ **اشاعت اسلام** (تین روپے سالانہ) ماہواری لاہور سے شائع ہوتا ہے نیز ہر دو ماہواری رسالوں میں ہر ماہ نو مسلمین و نماز عیدین کی تصاویر ہوتی ہیں +

المشتہر منیجر اسلامک ریویو و اشاعت اسلام ۔ عزیز منزل ۔ لاہور

ضروری اعلان

ہم نے متعدد سفیران مختلف اطراف ہندوستان میں ارسال کئے ہیں تاکہ رسالجات کی توسیع اشاعت کریں ہمیں امید واثق ہے ۔ کہ ہر ایک مسلم احباب اشاعت اسلام بلاد غیر و ووکنگ مشن کے اہم کام سے دلچسپی رکھنے والا لئے اپنے قصبوں و شہروں میں انہیں ہر ایک قسم کی سہولت فرما کر داخل حسنات ہوں گے ۔ سفیران کے پاس دفتر ہذا کی رسید بک ہوگی ۔ جس پر منیجر صاحب کے دستخط ثبت ہیں ۔ والسلام

نمونہ دستخط منیجر رسالہ اسلامک ریویو و اشاعت اسلام عزیز منزل

خادم

Khwaja Abdulghani

منیجر

لاہور (پنجاب)

[illegible] دروازہ لاہور میں حافظ مظفر الدین کے اہتمام سے چھپکر خواجہ عبد الغنی منیجر اشاعت اسلام لاہور سے شائع